ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوّت ملتان

فروری ۲۰۱۶ء
2
ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ

- باچاخان یونیورسٹی چارسدہ پر دہشت گردی
اور وزیراعظم نواز شریف کا لبرل، ترقی پسند اور روشن خیال پاکستان
- احرار ــــ اور حالاتِ حاضرہ
- بعض حالیہ اقدامات پر دینی حلقوں کی فکر مندی

- جذبۂ ایثار اور ہمارے رویے
- ذکرِ الٰہی کی فضیلت
- مجلس احرار اسلام......شاہ جی کی زندہ تحریک
- غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ، دستور پاکستان اور قادیانیت

نورِ ہدایت

القرآن

"اور اللہ ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی۔ ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا۔ مگر اُن لوگوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ نے اُن کے اعمال کے سبب اُن کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔"

(النحل:۱۱۲)

الحدیث

"حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم کوئی پھل خرید کر لاؤ، تو اس میں سے پڑوسی کے ہاں بھی ہدیہ بھیجو اور اگر ایسا نہ کر سکو تو اس کو چھپا کے لاؤ (کہ پڑوس والوں کو خبر نہ ہو، اور اس کی بھی احتیاط کرو کہ) تمہارا بچہ بھی وہ پھل لے کر گھر سے باہر نہ نکلے کہ پڑوسی کے بچے کے دل میں اُسے دیکھ کے جلن پیدا ہو۔" (کنز العمال)

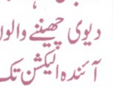

الآثار

"جو لوگ صحرائے زیست کو گلشن رعنا بنانے کے لیے اپنی عمر گنوا دیتے ہیں اور سب مال و منال اور توانائیاں لٹا دیتے ہیں مگر لیلائے اقتدار کے ساتھ شب باشی ان کے نصیب میں نہیں ہوتی اور شہر سیاست کی کڑی دھوپ میں انہیں زلفِ اقتدار کی گھنی چھاؤں تک میسر نہیں آتی تو حسرت و یاس کی یہ جامد تصویریں اور ان کی اذیت ناک پستی عبرت کا مرقع بن کے رہ جاتی ہے۔ پھر یہ وحشی سیاست انتقال کی تاریکیوں کے سانچے میں ڈھل کر سیاسی قحبہ گری کو پیشہ بنا لیتا ہے اور اقتدار کی دیوی چھیننے والوں کو کوستا ہے۔ تمام پرویزی حیلوں اور اشتری چالوں سے خواص اور مقتدرین کو بلیک میل کرتا ہے اور یوں آئندہ الیکشن تک اپنے زخم چاٹتا رہتا ہے۔

ضرورتوں، حاجتوں اور خواہشوں میں گھرے پسے ہوئے لوگ ان گرگ باراں دیدہ کو نام ور سمجھتے ہیں، ان کی جا و بے جا تعریف کرتے ہیں، ان کی نظر نوازی کی تمنا سینے میں سلگائے عذاب النار میں مبتلا رہتے ہیں اور موقع ملنے پر پیاسے کتے کی طرح آرزوؤں کی زبان لٹکائے ان کی دہلیز چاٹنے سے بھی نہیں چوکتے اور دم ہلاتے ہوئے کبھی امریکہ پدھارتے ہیں، کبھی لندن یاترا کرتے ہیں اور کبھی فرانس جا کے گھٹنے ٹیکتے ہیں۔"

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کالم
"دل کی بات" مطبوعہ "خبریں" (۳۰ر دسمبر ۱۹۹۴ء) سے اقتباس

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 27 شمارہ 2 | ربیع الثانی 1437ھ/ فروری 2016ء

Regd.M.NO.32

بیاد: سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی: ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

4-2-16

تشکیل

دل کی بات:	باچا خان یونیورسٹی چارسدہ پر دہشت گردی اور وزیر اعظم نواز شریف کا لبرل، ترقی پسند اور روشن خیال پاکستان	سید محمد کفیل بخاری	2
شذرہ:	احرار ___ اور حالاتِ حاضرہ	عبداللطیف خالد چیمہ	4
مسافرانِ آخرت:	مولانا محمد یٰسین، مولانا محمد اسحٰق بھٹی، مولانا وکیل احمد شیروانی، جناب منصور الزمان صدیقی رحمہم اللہ تعالیٰ	سید محمد کفیل بخاری	6
افکار:	بعض حالیہ اقدامات پر دینی حلقوں کی فکر مندی	مولانا زاہد الراشدی	10
//	ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے	پروفیسر خالد شبیر احمد	13
دین و دانش:	ذکرِ الٰہی کی فضیلت	محمد نعمان سنجرانی	16
//	جذبۂ ایثار اور ہمارے رویے	سید عزیز الرحمٰن	19
//	محافلِ میلاد میں منکرات کا ارتکاب	مفتی منیب الرحمٰن	25
مطالعۂ قادیانیت:	مسلمانوں کے بارے میں قادیانی مذہب کا فتویٰ	حافظ عبید اللہ	28
نقد و نظر:	غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ، دستورِ پاکستان اور قادیانیت	شکیل عثمانی	37
ماضی کے جھروکوں سے:	امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ (مجلس احرار اسلام ...... شاہ جی کی زندہ تحریک) قسط: ۲	مولانا حافظ عبدالرشید ارشد رحمۃ اللہ علیہ	46
//	حضرت مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ ...... ایک کتابی بزرگ	مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی	56
حسنِ انتقاد:	تبصرۂ کتب	سید عطاء المنان بخاری / محمد نعمان سنجرانی	58
ادب:	غزل	پروفیسر خالد شبیر احمد	60
اخبار الاحرار:	38ویں "سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس" چناب نگر	مولانا کریم اللہ	61

فیضانِ نظر ———

مولانا حضرت خواجہ خان محمد رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی ———

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیرجی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

مدیر مسئول ———

سید محمد کفیل بخاری

kafeel.bukhari@gmail.com

رفقاءِ فکر ———

عبداللطیف خالد چیمہ • پروفیسر خالد شبیر احمد

مولانا محمد مغیرہ • محمد عمر فاروق

قاری محمد یوسف احرار • میاں محمد اویس

سید صبیح الحسن ہمدانی

sabeeh.hamdani@gmail.com

سید عطاء المنان بخاری

atabukhari@gmail.com

تزئین ———

محمد نعمان سنجرانی

nomansanjrani@gmail.com

سرکولیشن منیجر ———

محمد یوسف شاد 0300-7345095

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک ——— -/200 روپے

بیرونِ ملک ——— -/4000 روپے

فی شمارہ ——— -/20 روپے

ترسیلِ زر بنام: ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت

بذریعہ آن لائن اکاؤنٹ نمبر: 1-5278-100

بینک کوڈ: 0278 یو بی ایل ایم ڈی اے چوک ملتان

رابطہ

دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

☎061-4511961

www.ahrar.org.pk

www.alakhir.com

majlisahrar@hotmail.com

majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوت، شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: اشتیاق تشکیل نوید پرنٹرز

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

دل کی بات

سید محمد کفیل بخاری

باچا خان یونیورسٹی چارسدہ میں دہشت گردی
اور وزیر اعظم نواز شریف کا لبرل، ترقی پسند اور روشن خیال پاکستان

۲۰ رجنوری ۲۰۱۶ء کو باچا خان یونیورسٹی چارسدہ میں دہشت گردوں کے حملے کے نتیجے میں پروفیسرز اور طلباء سمیت ۲۱ رافراد شہید اور ۳۰ رزخمی ہوگئے۔ جبکہ چاروں دہشت گرد فوجی آپریشن کے ذریعے ہلاک ہوگئے۔ اس سانحہ نے آرمی پبلک سکول پر حملے کے زخم پھر تازہ کر کے پوری قوم کو غم زدہ کر دیا۔ معصوم طلباء پر حملہ یقیناً ریاست پر حملہ ہے، حملہ آور اپنے آپ کو مسلمان ہی کہلاتے ہوں گے لیکن ان کا یہ اقدام جہالت اور بزدلی پر مبنی ہے۔ ایسے لوگوں کو اسلام، وطن اور قوم کے دشمنوں کے سوا دوسرا کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔ جو اسلام اپنے ماننے والوں کو وضو میں پانی ضائع کرنے کی اجازت نہیں دیتا وہ کسی انسان کا ناحق خون بہانے سے بھی منع کرتا ہے۔

آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے یونیورسٹی اور ہسپتال پہنچ کر زخمیوں کی عیادت کی، شہداء کے لواحقین سے اظہارِ تعزیت کیا اور دہشت گردی کے مکمل خاتمے کے عزم کا اظہار کیا۔ ریاست کے شہریوں کے جان ومال کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے۔ یہ بڑی پیش رفت ہے کہ سانحۂ چارسدہ کے تیسرے روز دہشت گردوں کے پانچ سہولت کار گرفتار کر کے چار کو میڈیا کے سامنے پیش کر دیا گیا جبکہ ایک کا نام خفیہ رکھا گیا۔ یہ سہولت کار پاکستانی ہیں اور کسی مدرسے کے طالب علم نہیں۔ آرمی پبلک سکول پر حملے کے وقت بھی بتایا گیا تھا کہ حملہ آور افغانستان سے آئے۔ مگر جو لوگ پکڑے گئے وہ پاکستانی تھے اور انھیں سزا بھی دے دی گئی۔ اب باچا خان یونیورسٹی پر حملہ آور دہشت گردوں کے متعلق بھی یہی بتایا جارہا ہے کہ وہ افغانستان سے آئے مگر جو سہولت کار گرفتار ہوئے وہ پاکستانی ہیں۔ اگرچہ سازشیں بین الاقوامی اور منصوبہ ساز غیر ملکی ہیں لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ ہمارے دشمن، ہمارے ہم وطن ہی ہیں۔ بین الاقوامی سازشوں اور منصوبوں کا مقابلہ اور دیسی سہولت کاروں کا خاتمہ حکمرانوں کے فرائض میں شامل ہے۔ امریکی صدر اوباما کا پارلیمنٹ سے آخری خطاب ہمارے غور وفکر کے لیے کئی سوالات کو جنم دیتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ:

''پاکستان کے کچھ حصوں میں آنے والی دہائیوں تک بدامنی جاری رہے گی۔''

اس کے ردِعمل میں پاکستان کے مشیر خارجہ نے سینٹ میں تقریر کرتے ہوئے کہا:

''ہم اپنے عزم سے اوباما کی پیش گوئیاں غلط ثابت کریں گے۔ اوباما ہمارے مسائل میں اضافہ نہ کریں۔ امریکہ اور اتحادی جہاں گئے عدم استحکام آیا'' (نوائے وقت، ۱۹؍جنوری ۲۰۱۶)

ادھر وفاقی وزیر دفاع خواجہ محمد آصف نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ:

''روس کے خلاف افغان وار میں شرکت اور مشرف دور میں افغانستان کے خلاف امریکی اتحاد میں شمولیت دونوں غلط فیصلے تھے''

حکومت کے دو اہم عہدیداروں کے مذکورہ بیانات پاکستان کے خلاف بین الاقوامی سازشوں اور اپنے حکمرانوں کے غلط فیصلوں نشاندہی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود مزید غلط فیصلے ملک وقوم کے حق میں اچھے نتائج کیسے دے سکتے ہیں۔

وزیر اعظم نواز شریف نے پہلے لبرل پاکستان کا نعرہ لگایا اور اب ترقی پسند اور روشن خیال کا اضافہ کر کے کس ایجنڈے کی تکمیل کر رہے ہیں۔ کیا دہشت گردی کے خاتمے کے لیے ملک کی نظریاتی شناخت اور اساس کو ختم کرنا بھی ضروری ہے؟ اور یہ کس کا ایجنڈہ ہے؟ کیا میاں نواز شریف صاحب مشرف دور کے غلط فیصلوں کی پھر سے تجدید کر رہے ہیں؟

کیا اسلامی جمہوریہ پاکستان کو لبرل، ترقی پسند اور روشن خیال پاکستان بنانے کی باتیں آئین سے انحراف اور قیامِ پاکستان کے مقاصد کو ڈائنامیٹ کرنے کے مترادف نہیں؟

آئین پاکستان کی اسلامی دفعات اور قرار دادِ مقاصد عالمی استعمار کی سازشوں کی زد میں ہیں اور نواز شریف صاحب پھر غلط فیصلے کر کے ملک کے مسائل اور قوم کے امتحان میں اضافہ کر رہے ہیں۔ پہلے بھی حکمرانوں کے غلط فیصلوں نے دہشت گردی کو فروغ دیا، اب اسی آموختے کو دہرا کر دہشت گرد کیسے ختم کیے جا سکتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ملک کی اسلامی شناخت کی وجہ سے دہشت گرد پیدا ہو رہے ہیں یا حکمرانوں کے غلط فیصلوں اور بین الاقوامی ایجنڈے کے تحت ہماری خارجہ پالیسی کی وجہ سے۔ کیا ہمارے حکمران اپنے غلط فیصلوں اور پالیسوں سے مسٹر اوباما کی پیش گوئیوں کو سچ ثابت نہیں کر رہے۔ دہشت گرد اور دہشت گردی دونوں ختم ہونے چاہئیں۔ چین کے ساتھ اقتصادی راہ داری اور گوادر پورٹ کو سیکورٹی کلیئرنس ضرور ملنی چاہیے، پاکستان کو امن اور ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہونا چاہیے۔ لیکن وطنِ عزیز کی نظریاتی اساس کو منہدم کر کے یہ اہداف حاصل نہیں کیے جا سکتے بلکہ قیامِ پاکستان کے مقاصد کی تکمیل، اسلامی نظام کے مکمل نفاذ سے ہی تمام مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

عبداللطیف خالد چیمہ

احرار ـــــ اور حالاتِ حاضرہ

مجلس احرار اسلام اپنے ''یوم تاسیس'' (29 ردسمبر 1929ء) سے آج تک ''نیکی کے ہر کام میں تعاون اور برائی کے ہر کام میں مخالفت'' کے اصول پر قائم ہے، حکمرانوں، مختلف سیاسی جماعتوں اور ان کی وضع کردہ پالیسیوں کے حوالے سے ہم آج تک الحمدللہ! اِسی اصول پر قائم ہیں، جو دراصل قرآنی آیت مبارکہ کا مفہوم ہے

وَتَعَا وَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْویٰ وَلَا تَعَا وَنُوْا عَلَی الْاِ ثْمِ وَ الْعُدْ وَان ۔ (المائدہ:۲)

ترجمہ: اور تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو، اور گناہ اور ظلم و زیادتی کے کاموں میں تعاون مت کرو۔

12 ربیع الاوّل 1437ھ، 24 ردسمبر 2015ء، جمعرات کو چناب نگر (سابق ربوہ) میں مثالی سالانہ ختم نبوت کانفرنس اور کامیاب ترین دعوتی جلوس میں بھی قائدینِ احرار اور زعماء تحریکِ ختم نبوت نے یہی پیغام دیا ہے کہ اللہ کی دھرتی پر اللہ کے قانون کے نفاذ اور عقیدۂ ختم نبوت کے تحفظ کی پر امن جدوجہد کو آگے بڑھانے والے بن جاؤ تو امن پالو گے! آج دنیا، اِنسانی (Man Made) قوانین کے ذریعے بری طرح استحصال کا شکار ہے، بدامنی کا راج ہے اور 68 سالوں سے ہمارے حکمران بھی ہمارا استحصال کر رہے ہیں، سرمایہ پرستانہ نظام کی چکی میں غریب عوام کو مسلسل پیسا جا رہا ہے، الیکشن دولت والوں کا کھیل بن کر رہ گیا ہے، قومی و بلدیاتی انتخابات کے نتائج و عوامل قوم کے سامنے ہیں، وزیر اعظم جناب میاں محمد نواز شریف نے مارچ 2012ء کو معروف صحافی اور روزنامہ ''جنگ'' کے کالم نگار جناب انصار عباسی کو یہ موبائل میسج کیا تھا:

"I vow to make Pakistan a true Islamic welfare state if the Almighty Allah blesses me with an opportunity infuture.

ترجمہ: ''میں عہد کرتا ہوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے مستقبل میں (حکومت کرنے کا) موقع دیا تو میں پاکستان کو ایک حقیقی اسلامی فلاحی ریاست بناؤں گا۔'' (روزنامہ ''جنگ'' لاہور 19 رجنوری 2016ء)

لیکن صورتحال پوری دنیا کے سامنے ہے اور جناب وزیر اعظم اِس ملک کو ''لبرل'' اور پوری سیاسی رجیم وطن عزیز کو ''سیکولر'' بنانے کے لیے امریکی و یورپی ایجنڈے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر چکی ہے، مشرق وسطیٰ میں لگائی گئی آگ ''پاکستان'' میں دھکیلنے میں کوئی کسر باقی نظر نہیں آ رہی، اپنی مرضی کا منظر بنوانے کے لیے عالمی استعمار (شیعہ سنی کشیدگی سمیت) ہر حربہ استعمال کر رہا ہے، بھارتی دراندازی عروج پر ہے، پے در پے دہشت گردی کے واقعات، قتل و غارت گری، بے گناہ انسانوں کا خون! مگر یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے، ہم اِس کی اصل وجوہ تلاش کرنے کی بجائے کہاں کھوئے ہوئے ہیں؟ ہمیں ایسے لگتا ہے کہ ن لیگ اور پیپلز پارٹی سمیت سیاستدانوں کی قدر مشترک دین دشمنی ہے، جس کے نتائج ریاست اور قوم دونوں کو بھگتنے پڑ رہے ہیں۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ''الملک و الدین توامان'' ''ریاست اور اسلام دونوں جڑواں بھائی ہیں۔''

ہم حکمرانوں اور سیاستدانوں کی خدمت میں بانیٔ پاکستان جناب محمد علی جناح مرحوم کا ایک قول نقل کرنا چاہیں گے تاکہ بات واضح ہو کر سامنے آسکے کہ قائداعظم کے فرمودات کی روشنی میں بات کون سا طبقہ کر رہا ہے اور مجرمانہ انحراف کون کر رہا ہے؟

''میں لندن میں امیرانہ زندگی بسر کر رہا تھا، اب میں اسے چھوڑ کر انڈیا اس لیے آیا ہوں کہ یہاں لا الہ الا اللہ کی مملکت کے قیام کے لیے کوشش کروں، اگر میں لندن میں رہ کر سرمایہ داری کی حمایت کرنا پسند کرتا تو سلطنت برطانیہ جو دنیا کی عظیم ترین سلطنت ہے، مجھے اعلیٰ سے اعلیٰ مناصب اور مراعات سے نوازتی، اگر میں روس چلا جاؤں یا کہیں بیٹھ کر سوشلزم، مارکسزم یا کمیونزم کی حمایت شروع کروں تو مجھے بڑے سے بڑا اعزاز بھی مل سکتا ہے اور دولت بھی، مگر علامہ اقبال کی دعوت پر میں نے دولت اور منصب دونوں کو پرے دھکیل کر انڈیا میں محدود آمدنی کی دشوار زندگی بسر کرنا پسند کیا ہے، تاکہ مسلمانوں کے لیے ایک اسلامی سلطنت وجود میں آئے اور اس میں اسلامی قوانین کا بول بالا ہو، کیوں کہ انسانیت کی نجات اسلامی نظام ہی میں ہے، صرف اسلام کے علمی، عملی اور قانونی دائروں میں آپ کو عدل، مساوات، اخوت، محبت، سکون اور امن دست یاب ہوسکتا ہے۔ برطانیہ، امریکا اور یورپ کے سارے بڑے بڑے سیاست دان مساوات کا راگ الاپتے ہیں، روس کا نعرہ بھی مساوات اور ہر مزدور اور کاشت کار کے لیے روٹی، کپڑا اور مکان مہیا کرنا ہے، مگر یورپ کے بڑے بڑے سیاست دان عیش و عشرت کی جو زندگی بسر کرتے ہیں، وہ وہاں کے غریبوں کو نصیب نہیں، محمد علی جناح کا لباس اتنا قیمتی نہیں، جتنا لباس یورپ کے بڑے بڑے لوگ اور روس کے لیڈر زیب تن کرتے ہیں۔ نہ محمد علی جناح کی خوراک اتنی اعلیٰ ہے، جتنی سوشلسٹ اور کمیونسٹ لیڈروں اور یورپ کے سرمایہ داروں کی ہے، ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم نے سارا اختیار ہوتے ہوئے غریبانہ زندگی بسر کی، لیکن رعایا کو خوش اور خوش حال رکھا۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ انڈین کانگریس حکومت بنانے کی صورت میں برطانوی ٹھگوں کو تو یہاں سے نکال دے گی، پھر خود ٹھگ بن جائے گی، یہ لوگ صرف مسلمانوں کی آزادی ختم نہیں کریں گے، بل کہ اپنے لوگوں (اچھوتوں) کی آزادی بھی ختم کر دیں گے، اس لیے ہم سب کو پاکستان کے قیام کے لیے بھرپور کوشش کرنی چاہیے۔ ذرا خیال فرمائیے کہ اگر لا الہ الا اللہ پر مبنی حکومت قائم ہو جائے تو افغانستان، ایران، ترکی، اردن، بحرین، کویت، حجاز، عراق، فلسطین، شام، تیونس، مراکش، الجزائر اور مصر کے ساتھ مل کر یہ کتنا عظیم الشان اسلامی بلاک بن سکتا ہے۔ اقبال کی طرح میرا بھی یہ عقیدہ ہے کہ کوئی سوشلسٹ یا کمیونسٹ مسلمان نہیں ہوسکتا، خواہ وہ پیر، مولانا ہی کیوں نہ ہوں، کیوں کہ سوشلزم اور کمیونزم کے سارے بانی یہودی تھے، آپ کو سمجھ لینا ہے کہ سوشلزم اور کمیونزم مسلمانوں کے لیے ایسا زہر ہے، جس کا تریاق نہیں۔ آپ کبھی نہ بھولیں کہ یہودی، انگریز، سوشلسٹ، کمیونسٹ اور ہندو، سب مسلمانوں کو مٹانے کے درپے ہیں۔ پاکستان بن جانے کے بعد یہ پاکستان کو مٹانے کی کوشش کریں گے، آپ کو اس وقت بھی ہوش یار رہنا ہوگا۔ (روزنامہ ندائے ملت، لاہور 15/ اپریل 1970ء)

آخر میں ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ مُقتدر حلقے وطن عزیز پر رحم فرمائیں اور جس مقصد کے لیے یہ خطہ حاصل کیا گیا تھا، اُس کو نافذ کریں کہ اس کے سوا کوئی چارا ہی نہیں ہے، ہمارا حال تو ہر حال میں یوں ہے کہ

شکوۂ ظلمتِ شب سے تو کہیں بہتر تھا
اپنے حصے کی کوئی شمع جلاتے جاتے

سید محمد کفیل بخاری

حضرت مولانا محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ

رفیقِ امیر شریعت، جامعہ قاسم العلوم ملتان کے مہتمم حضرت مولانا محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ ۲۶ ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ / ۷ جنوری ۲۰۱۶ء بروز جمعرات انتقال کر گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا محمد یٰسین جنوبی پنجاب کے جید عالم دین اور ہمہ جہت شخصیت تھے۔ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے خانوادہ سے عقیدت ومحبت کا مثالی تعلق تھا، جسے انھوں نے زندگی بھر نبھایا اور حق ادا کیا۔

مولانا، یکم جنوری ۱۹۳۱ء کو ضلع جھنگ کے ایک گاؤں ''واسو آستانہ'' میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد کا نام عبدالرحمٰنؒ تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے بڑے بھائی فیض احمد مرحوم سے حاصل کی، ۱۹۴۷ء میں مدرسہ ریاض الاسلام جھنگ میں داخل ہوئے۔ یہاں امام الصرف والنحو حضرت مولانا سلطان محمود رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ سے درس نظامی کی کتابیں پڑھیں۔

میرے والد ماجد حضرت سید محمد وکیل شاہ صاحب دامت برکاتہم بھی ۱۹۴۸ء میں اسی مدرسہ میں داخل ہوئے۔ مولانا محمد یٰسین اور میرے والد ماجد ایک ہی کمرہ میں رہائش پذیر تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ مولانا تعلیم میں کچھ کمزور تھے لیکن اساتذہ کے ادب اور خدمت میں سب سے آگے تھے۔ یہی عمل اساتذہ میں اُن کی مقبولیت اور دعاؤں کے حصول کا سبب بنا۔ کچھ عرصہ مدرسہ محمود العلوم، عبدالحکیم میں حضرت پیر سید خورشید احمد شاہ صاحب ہمدانی اور حضرت حافظ محمد حسین رحمۃ اللہ علیہما سے چند کتابیں پڑھیں، بیعت کا تعلق حضرت پیر سید خورشید احمد صاحب سے تھا اور حضرت پیر صاحب، حضرت شیخ الہند سے بیعت تھے جبکہ حضرت مدنی کے خلفاء میں سے تھے۔

۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۱ء میں ملتان آ گئے اور کچھ عرصہ مدرسہ خیر المدارس میں حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نوّر اللہ مرقدہٗ کے پاس پڑھتے رہے، پھر مدرسہ قاسم العلوم میں داخل ہو گئے۔ قاسم العلوم میں حضرت مفتی محمد شفیع ملتانی رحمہ اللہ سے تفسیر اور فنون، حضرت مفتی محمود رحمہ اللہ سے مسلم شریف اور شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالخالق رحمہ اللہ (بانی دار العلوم کبیر والہ) سے بخاری و ترمذی پڑھیں۔ ۱۹۵۲ء میں دورۂ حدیث مکمل کیا۔ پھر حضرت امیر شریعتؒ کی سفارش پر حضرت مفتی محمودؒ نے انھیں مدرسہ قاسم العلوم کا سفیر مقرر کیا۔

مولانا محمد یٰسین رحمۃ اللہ علیہ ہمیشہ اپنے اساتذہ اور بزرگوں کی توجہات کا مرکز رہے۔ مدرسہ قاسم العلوم کچہری روڈ پر واقع تھا اور مدرسہ کے عقب میں محلّہ ٹبی شیر خان میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا گھر تھا۔ مولانا محمد یٰسین اپنے سبق سے فارغ ہو کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتے۔ میرے والد ماجد بتاتے ہیں کہ اکثر آتے ہی عرض کرتے:

شاہ جی! کوئی، ٹوپی، کرتا، رومال اور چادر دھونے کے لیے ہو تو دیجیے، میں دھو دیتا ہوں۔ اس طرح وہ خدمت کا کوئی نہ کوئی کام نکال لیتے۔ پھر شاہ جی اُن سے اخبار کی خبریں، اداریہ اور کالم سنتے۔

مولانا خود فرمایا کرتے کہ میری اردو، حضرت شاہ جی نے درست کی۔ میں کوئی لفظ غلط پڑھتا یا لکھتا تو فوراً اصلاح فرماتے۔ اسی طرح زندگی کے دیگر معاملات میں بھی حضرت شاہ جی نے میری بہت رہنمائی کی۔ عید نماز کے لیے ہمیشہ، مولانا ہی شاہ جی کو لے کر جاتے، کبھی ابدالی مسجد اور اکثر خیر المدارس میں نمازِ عید ادا فرماتے۔ مولانا، شاہ جی کے کئی اسفار میں بھی رفیق رہے۔ شاہ جی کے انتقال پر انھیں غسل اور کفن دینے والوں میں شریک تھے۔ انھیں شاہ جی سے بے پناہ محبت تھی۔ بلا کا حافظہ تھا، کسی موضوع پر بات ہو، شاہ جی کی کوئی بات ضرور نکال لاتے، انھیں شاہ جی سے سنے ہوئے اشعار، محاورے، جملے اور واقعات اکثر یاد تھے۔ مجلسی آدمی تھے اور ہمیشہ مجلس پر چھائے رہتے۔ حضرت امیر شریعت کے معالج حضرت حکیم عطاء اللہ خان رحمہ اللہ سے تعلق ہوا تو پھر اُن کے پورے خاندان سے تعلق ہو گیا اور یہ حضرت امیر شریعت کی وجہ سے تھا۔ وہ جب بھی حکیم صاحب کے مطب جاتے، مولانا ساتھ ہوتے۔ حضرت حکیم محمد حنیف اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے دوا سازی کے لیے ایک احاطہ کرائے پر لیا تھا، جس میں روزانہ بعد العصر مجلس احباب منعقد ہوتی، مولانا کم و بیش پچاس سال اس مجلس میں روزانہ اہتمام سے شریک ہوئے۔ احباب ایک ایک کر کے اللہ کو پیارے ہو گئے تو مولانا تنہا رہ گئے۔ لیکن انھوں نے تنہائی کو اپنے اوپر مسلط نہیں ہونے دیا۔ اب وہ کم و بیش روزانہ دارِ بنی ہاشم میں ابن امیر شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ اور میرے والد ماجد حضرت حافظ سید محمد وکیل شاہ صاحب دامت برکاتہم کو ملنے تشریف لاتے۔ گزشتہ پندرہ برسوں سے یہ معمول چل رہا تھا۔ چھے ماہ قبل بیمار ہوئے تو پھر ایک دو دن کے وقفے سے آتے، کبھی روزانہ۔ انتقال سے ایک ہفتہ پہلے بھی تشریف لائے اور ایک دن پہلے ہسپتال میں اپنے فرزند مولانا قاری محمد طٰسین سے فرمایا کہ شاہ جی کے ہاں لے چلو۔ یہ اڑسٹھ سال کا تعلق تھا جسے وہ زندگی کے آخری سانس تک نبھاتے رہے۔

مولانا نے تقریباً ۵۵ حج کیے اور ۱۰۰ کے قریب عمرے، انھوں نے حضرت مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بھی متعدد حج کیے۔ حضرت مفتی صاحب نے ایک سفر میں شاہ فیصل مرحوم سے ملاقات کی تو مولانا محمد یٰسین کو ساتھ لے کر گئے۔ مولانا محمد یٰسین نہایت خوش نصیب انسان تھے۔ ایک چھوٹی سی مسجد میں بیس روپے تنخواہ پر خدمت کے لیے مامور ہوئے۔ آج وہ جامع مسجد القادر ہے، اس مسجد میں نمازِ فجر کے بعد کم و بیش چالیس سال درسِ قرآن ارشاد فرماتے رہے۔ ترجمہ و تفسیر قرآن سے انھیں خاص اُنس اور ذوق تھا۔ عربی، اردو تفاسیر کا بہت گہرا مطالعہ تھا۔ کثیر تعداد میں مسنون دعائیں ازبر تھیں۔ عربی زبان پر بہت عبور تھا، وہ بڑی روانی کے ساتھ عربی بولتے تھے۔ جب وہ عربی بولتے تو اپنے لہجے سے عرب معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے اپنے وقت کے جید

علماء ومشائخ سے بھرپور علمی وروحانی استفادہ کیا۔ خاص طور پر حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ (خانقاہ سراجیہ) کی زیارت اور مجلس نصیب ہوئی۔ حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوری اور مولانا خواجہ خان محمد، مولانا مفتی احمد الرحمٰن اور مولانا حبیب اللہ مختار رحمہم اللہ سے بہت گہرا تعلق تھا۔ وہ اپنی مجلسوں میں اکثر بزرگوں کے ارشادات اور واقعات سناتے۔ مسجد القادر میں مدرسہ صوت القرآن قائم کیا، جس میں ان کے فرزند و جانشین مولانا قاری محمد طٰسین بچوں کو قرآن کریم حفظ کراتے ہیں۔ مسجد کے چاروں طرف اکثر محلوں کے بچے یہاں قرآن حفظ کرتے ہیں۔ تینوں بیٹے، محمد طٰسین، محمد شعیب اور محمد الیاس، قرآن کے حافظ، بیٹیاں حافظات، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اکثر قرآن کے حافظ عالم اور خدمت دین میں مشغول ومصروف ہیں۔ بیٹیوں نے بچیوں کی تعلیم کے لیے مدرسہ قائم کیا، جس میں بچیاں حفظ قرآن کرتی ہیں۔

۲۶ ربیع الاوّل، جمعرات، دس بجے دن انتقال ہوا، عشاء کے بعد ابدالی مسجد میں عظیم الشان جنازہ ہوا، کہ اللہ والوں کے جنازے بے مثال ہوتے ہیں۔ حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے قبرستان کے احاطہ میں اپنے رفیق حضرت حکیم محمد حنیف اللہ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوگئے۔ مولانا محمد یٰسین پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے اور ضرور لکھیں گے مگر کسی دوسری مجلس میں، اللہ تعالیٰ ان کے حسنات قبول فرمائے، خطائیں معاف فرمائے۔ اولاد واعمال کو صدقۂ جاریہ بنائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین

☆ **مولانا محمد اسحٰق بھٹی رحمۃ اللہ علیہ:** اہلِ حدیث مکتبہ فکر کے ممتاز عالم دین، صاحبِ طرز ادیب، انشاء پرداز اور محقق مولانا محمد اسحٰق بھٹی گزشتہ ماہ انتقال فرما گئے۔ مرحوم ۱۵ / مارچ ۱۹۲۵ء میں پیدا ہوئے۔ علم دین کی تحصیل کے بعد عمر بھر خدمتِ دین میں مصروف رہے۔ انھوں نے حضرت مولانا سید محمد داؤد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اکابر کی معیت میں زندگی کا قیمتی وقت گزارا، انتہائی منکسر المزاج اور شگفتہ طبیعت کے مالک تھے۔ انھوں نے درجنوں کتابیں تالیف وتصنیف کیں، مسلکی تعصب سے بالا تھے۔ انھوں نے مولانا ابوالکلام اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کو قریب سے دیکھا اور سنا۔ دونوں شخصیات پر اُن کے طویل مضامین شاہکار تحریریں ہیں۔ عظمت نقوشِ رفتہ اور بزم ارجمنداں، شخصیات پر اُن کی معرکہ آرا کتابیں ہیں۔ گزر گئی گزران آپ بیتی ہے۔ اُن کی تحریریں ایسی دلچسپ، سادہ اور بے ساختہ ہیں کہ قاری کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہیں۔ قافلۂ اہل حدیث میں اپنی وضع کے شاید وہ آخری آدمی تھے، وہ اسلاف کی سچی نشانی اور اُن کی قدروں کے امین تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے، حسنات قبول فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔

☆ **حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی رحمۃ اللہ علیہ:** مجلس صیانۃ المسلمین کے روح رواں، جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاذ اور جیّد عالمِ دین حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی ۱۶ / جنوری ۲۰۱۶ء کو لاہور میں انتقال کر گئے۔ دین کی دعوت، اصلاح معاشرہ اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج واشاعت میں تمام عمر کھپا دی۔ سینکڑوں مسلمانوں نے اُن کے علم وفضل سے نفع اٹھایا اور طلباء نے فیض

پایا۔ مولانا ولیِ کامل، مقرب الی اللہ تھے۔ کئی برس سے ماہنامہ الصیانہ میں مدیر کی حیثیت سے دعوتِ دین کا فریضہ ادا کر رہے تھے۔ حق تعالیٰ شانہٗ، مولانا کے درجات بلند فرمائے، اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

☆جناب **منصور الزمان صدیقی رحمۃ اللہ علیہ:** صدیقی ٹرسٹ کراچی کے مدیر و منتظم جناب منصور الزمان صدیقی گزشتہ ماہ انتقال کر گئے۔ مرحوم نہایت علم دوست اور حق پسند بزرگ تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کے عقائد کی اصلاح کے لیے صدیقی ٹرسٹ سے لاکھوں کی تعداد میں دینی لٹریچر شائع کر کے مفت تقسیم کیا۔ پسماندہ علاقوں میں مساجد و مدارس قائم کیے، خصوصاً بلوچستان اور خیبر پختونخوا میں بہت زیادہ تعلیمی و تبلیغی خدمات انجام دیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مساعی وجلیلہ قبول فرمائیں اور مغفرت فرما کر اعلیٰ درجات عطاء فرمائیں۔

☆ قاری محمد سیف اللہ جالندھری رحمہ اللہ: حضرت حافظ احمد دین رحمہ اللہ کے فرزند اور مدرسہ دعوت الحق کے مہتمم۔ انتقال: ۲۷ / ربیع الاوّل ۱۴۳۷ھ / ۸/ جنوری ۲۰۱۶ء

☆ حاجی محمد عمر فاروق: جھنگ کے قدیم احرار کارکن حاجی محمد یعقوب مغل کے بھتیجے اور داماد، انتقال: ۸/ جنوری ۲۰۱۶ء

☆ والدہ ماجدہ محمد طارق ندیم: جھنگ میں احرار کے قدیم کارکن محمد طارق ندیم کی والدہ ماجدہ: انتقال: ۱۷/ دسمبر ۲۰۱۵ء

☆ جامع مسجد اقصیٰ (اقراء بیت القرآن) غازی آباد، چیچہ وطنی کے استاد حافظ وسیم اللہ کی خوش دامن عمرہ کی سعادت کے بعد مکہ مکرمہ میں ۱۵/ جنوری جمعۃ المبارک کو انتقال کر گئیں۔ جنازہ حرمِ پاک میں اور تدفین جنت المعلیٰ میں ہوئی۔

☆ چیچہ وطنی میں ہمارے دیرینہ معاون نصیر احمد (رحمٰن سٹی) کی اہلیہ 22/ دسمبر کو انتقال کر گئیں۔

☆ چیچہ وطنی میں ہمارے معاون محمد سہیل مان (چک نمبر 109-12 ایل) کی پھوپھی صاحبہ، چراغ احمد مان ایڈووکیٹ کی ہمشیرہ انتقال کر گئیں۔

☆ چیچہ وطنی میں ہمارے قدیم مہربان دوست سردار محمد نسیم ڈوگر (چک نمبر 110-11 ایل) کی اہلیہ انتقال کر گئیں۔

☆ چیچہ وطنی میں ابو معاویہ محمد ابراہیم کے بھائی بابا محمد شوکت انتقال کر گئے۔

☆ چیچہ وطنی میں ہمارے معاون حاجی کفایت اللہ اور حاجی سلطان احمد کے بھائی فقیر اللہ (چک نمبر 109-12 ایل) انتقال کر گئے۔

☆ چیچہ وطنی جماعت کے امیر چودھری انوار الحق کے چچا اور بابا عبدالرحمٰن (چک نمبر 109-12 ایل) کے والد گرامی حاجی مشتاق احمد 17/ جنوری اتوار کو انتقال کر گئے۔

احباب و قارئین سے درخواست ہے کہ تمام مرحومین اور ساری امت کے لیے دعاءِ مغفرت اور ایصالِ ثواب کا اہتمام فرمائیں۔ (ادارہ)

دعاءِ صحت

☆ سید محمد کفیل بخاری کے والد ماجد حضرت حافظ سید محمد وکیل شاہ صاحب مدظلہ گزشتہ چھے ماہ سے شدید علیل ہیں۔

☆ مدرسہ معمورہ ملتان کے معاون حافظ عبدالعلیم (شانی کریانہ سٹور) علیل ہیں۔

احباب و قارئین ان کی صحت یابی کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ (ادارہ)

مولانا زاہد الراشدی

بعض حالیہ اقدامات پر دینی حلقوں کی فکری مندی

گزشتہ روز اسلام آباد کی قدیم ترین مسجد میں (جو ”اولی مسجد“ کے نام سے معروف ہے) ایک سیرت کانفرنس میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ محمدی مسجد شہزاد ٹاؤن میں چند سرکردہ علماء کرام کے ساتھ مشاورتی نشست میں شریک ہوا اور ملک میں دینی جدوجہد کی موجودہ صورت حال کے بارے میں بہت سے فکرمند دوستوں کے ساتھ گفتگو کا موقع ملا۔ دیکھا کہ اس بات پر فکرمندی اور تشویش مسلسل بڑھتی جا رہی ہے کہ ملک میں دینی اقدار و روایات کو کمزور کرنے، نافذ شدہ چند اسلامی قوانین وضوابط کو غیر مؤثر بنانے، اور لادینی فلسفہ وثقافت کو ترویج دینے کی کوششوں میں جو تیزی اور وسعت دیکھنے میں آ رہی ہے، دینی حلقوں میں بے توجہی، بے حسی اور ہر قسم کے حالات کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے کا رجحان اس سے کہیں زیادہ بڑھتا جا رہا ہے۔ بالخصوص قومی سیاست میں دینی حلقوں کی نمائندگی کرنے والی قیادت کی قناعت پسندی ایک طرح کا روگ سا بن کر رہ گئی ہے۔ جو معاملات اس دوران گفتگو کا موضوع بنے ان میں سے چند یہ ہیں:

☆ سعودی عرب اور ایران کے درمیان کشیدگی کو کم کرنے کے لیے وزیراعظم پاکستان میاں محمد نواز شریف کے عزم اور پروگرام کو کم وبیش ہر جگہ سراہا جا رہا ہے۔ البتہ سنجیدہ حلقوں کا یہ احساس بھی قابل توجہ ہے کہ کشیدگی جس حد تک آگے جا چکی ہے اسے بریک لگانے کے ساتھ ساتھ اس امر کا اہتمام ضروری ہے کہ حالات کو اس رخ پر لے جانے اور موجودہ صورت حال تک پہنچانے والے اسباب وعوامل کا جائزہ لیا جائے۔ کیونکہ گزشتہ تین عشروں کے دوران مشرق وسطیٰ میں سنی شیعہ اختلافات کا دائرہ وسیع کرنے اور ان کو مسلح گروہی تصادم کا رنگ دینے کے لیے مختلف اطراف سے جو کام ہوا ہے اس کی نشاندہی اور اسے روکنے بلکہ ”ریورس گیئر“ لگانے کی تدابیر اختیار کیے بغیر مشرق وسطیٰ کو اس فرقہ وارانہ تصادم کی دلدل سے نہیں نکالا جا سکتا۔ خدا کرے کہ میاں محمد نواز شریف اور ان کے رفقاء اس کارِ خیر کو بحسن وخوبی آگے بڑھا سکیں، آمین یارب العالمین۔

☆ بعض علماء کرام نے صوبہ سندھ کے حوالہ سے سامنے آنے والی اس خبر پر تشویش کا اظہار کیا کہ حکومت کی طرف سے خطباء کو جمعۃ المبارک میں بیان کرنے کے لیے سرکاری طور پر مرتب کردہ خطبات مہیا کرنے اور انہیں اس کا پابند بنانے کا پروگرام طے پا گیا ہے اور اس کا دائرہ ملک بھر میں پھیلانے کی تجویز بھی مقتدر حلقوں میں چل رہی ہے۔

☆ کچھ علماء کرام نے اس بات کا ذکر کیا کہ شادی کے لیے لڑکی کی عمر طے کرنے اور اس سے کم عمر میں شادی کو ممنوع قرار دینے کے لیے قانون کا ایک مجوزہ مسودہ قانون ساز حلقوں میں زیر بحث ہے اور اس کے لیے بہت سی این جی اوز اور بین الاقوامی حلقے متحرک ہیں۔

☆ اس دوران سودی نظام کے خاتمہ کی جدوجہد بھی زیر بحث آئی اور اس بات کو سراہا گیا کہ اگرچہ وفاقی شرعی عدالت میں زیر بحث مقدمہ سردست تعطل کا شکار ہے جس کی وجہ سے ''تحریک انسداد سود'' کے عنوان سے مختلف مکاتب فکر کی مشترکہ جدوجہد میں سرگرمی کا ماحول پیدا نہیں ہو رہا۔لیکن اس کے باوجود تنظیم اسلامی پاکستان اپنے امیر محترم حافظ عاکف سعید کی سربراہی میں اس کے لیے مسلسل متحرک ہے اور اس کے لیے مختلف شہروں میں سیمیناروں کا اہتمام کر رہی ہے۔اور اس کے ساتھ ہی پرائیویٹ سیکٹر میں سود کی مختلف صورتوں کے خلاف احساس پیدا ہو رہا ہے جس کے تحت پنجاب کے مختلف شہروں میں پرائیویٹ سود پر پابندی کے قانون کی طرف لوگ متوجہ ہو رہے ہیں۔اور بعض مقامات پر اس ایکٹ کے تحت پرائیویٹ سودخوروں کے خلاف مقدمات بھی درج ہوئے ہیں۔گوجرانوالہ کے تھانہ سیٹلائیٹ ٹاؤن میں بھی گزشتہ دنوں اس سلسلہ میں ایک ایف آئی آر درج ہو چکی ہے۔

ہمارے خیال میں بیداری کے اس احساس کو بڑھانے کی ضرورت ہے جس کے لیے دینی جماعتیں اور خطباء کرام زیادہ مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں۔جبکہ اس قسم کے مسائل پر رائے عامہ کو بیدار و منظم کرنے کی قومی سطح پر جس جدوجہد کی ضرورت ہے اس کے لیے باہمی رابطہ مہم اور مفاہمت و تعاون کا فروغ وقت کا ایک اہم تقاضا ہے۔

پرائیویٹ سود کی ممانعت کے لیے پنجاب اسمبلی نے اب سے آٹھ برس قبل ایک قانون منظور کیا تھا جو صوبے میں اس وقت سے نافذ ہے۔ہم اس قانون کا متن علماء کرام اور دینی کارکنوں کی آگاہی کے لیے درج کر رہے ہیں۔اس امید کے ساتھ کہ اس قانون پر عملدرآمد کا ماحول پیدا کرنے کے لیے دینی جماعتیں اور کارکن کسی نہ کسی حد تک ضرور کردار ادا کریں گے۔

شخصی امتناع سودی قرض ایکٹ ۲۰۰۷ء

۲۰۰۷ء کا ایکٹ نمبر ۶ گورنمنٹ آف پنجاب، غیر معمولی، ۳۰ / جون ۲۰۰۷ء یہ ایکٹ شخصی طور پر سود پر قرض دینے کی ممانعت سے متعلق ہے۔

نمبر: DAP. Logu. 3(11) 2003/934۔شخصی امتناع سودی قرض بل ۲۰۰۷ء چونکہ پنجاب اسمبلی نے ۱۲ / جون ۲۰۰۷ء کو منظوری دے دی تھی، لہٰذا اب اسے پنجاب کی صوبائی اسمبلی کے ایکٹ کے طور پر شائع کیا جا رہا ہے۔

۱۔**تمہید**: چونکہ پنجاب میں سودی قرض کی ممانعت کا قانون بنانا پیش نظر ہے لہٰذا مندرجہ ذیل قانون بنایا گیا۔

۲۔مختصر عنوان، دائرہ عمل اور ابتداء: ۱۔اس قانون کا نام شخصی امتناع سودی قرض ایکٹ ۲۰۰۷ء ہوگا۔

۲۔ اس کا دائرہ عمل پنجاب کا سارا صوبہ ہوگا۔　۳۔ اس پر فوری طور پر عمل درآمد ہوگا۔

تعریفات / اصطلاحات: اس ایکٹ میں مستعمل الفاظ کے درج ذیل مخصوص معنی ہوں گے اِلَّا یہ کہ متن اور اس کے

سیاق وسباق کا تقاضا ہو۔

(ا) **گورنمنٹ:** سے مراد پنجاب گورنمنٹ ہے۔

(ب) **شخصی قرض دہندہ:** سے مراد وہ شخص ہے جو سود پر لوگوں کو قرض دے۔ تاہم اس میں وفاقی یا صوبائی حکومت کی اجازت سے کام کرنے والے بنک، مالیاتی کارپوریشن اور کوآپریٹو سوسائٹیاں شامل نہیں ہوں گی۔

(ج) **سود:** سے مراد وہ رقم ہے جو قرض کے لیے دی گئی رقم سے زائد ہو اور اس کا مطالبہ کیا جارہا ہو، خواہ اسے سود کا نام دیا گیا ہو یا نہ دیا گیا ہو۔

۳۔ شخصی سودی قرض کی ممانعت: صوبہ پنجاب میں کسی شخص کو خواہ وہ انفرادی طور پر ہو یا اجتماعی طور پر سودی قرض دینے کی اجازت نہیں ہوگی۔

۴۔ **سزا:** جو شخص اس ایکٹ کی دفعہ ۳ محولہ بالا کی خلاف ورزی کرے گا (یعنی سود پر قرض دے گا) اسے ۱۰ سال تک کی قید یا پانچ لاکھ روپے جرمانہ یا دونوں پر مشتمل سزا دی جائے گی۔

۵۔ ناقابل ضمانت جرم: اس ایکٹ کے تحت جرم کا ارتکاب ناقابل ضمانت اور ناقابل صلح ہے۔

۶۔ دائرہ کار: اس ایکٹ کی دفعہ ۳ کی خلاف ورزی قابل دست اندازی پولیس جرم ہوگا حسب کریمنل پروسیجر کوڈ ۱۸۹۸ء (ایکٹ ۵ آف ۱۸۹۸ء) کی سیکشن دفعہ (۳) کی ذیلی دفعہ (۱)۔

۷۔ قواعد وضوابط: حکومت (پنجاب) اس ایکٹ پر عمل درآمد کے لیے (تفصیلی) قواعد وضوابط بنا سکتی ہے۔

۸۔ تنسیخ: (اس ایکٹ کے نفاذ کی وجہ سے) پنجاب قرض دہندگی آرڈی ننس ۱۹۶۰ء (ڈبلیو پی آرڈی ننس ۲۴ آف ۱۹۶۰ء) منسوخ سمجھا جائے گا۔

۹۔ تحفظ: پنجاب قرض دہندگی آرڈی ننس ۱۹۶۰ء (ڈبلیو پی آرڈی ننس ۲۴ آف ۱۹۶۰) کی تنسیخ سے قطع نظر، اس آرڈی ننس کے تحت یا اس کے حوالے سے جو کچھ بھی کیا گیا، جو ایکشن لیے گئے، جن حقوق وواجبات کا تعین کیا گیا، جو تعیناتیاں شامل کی گئیں، جو اختیارات تفویض کیے گئے، جو فیصلے کیے گئے اور جو (تفصیلی) قواعد وضوابط وضع کیے گئے وہ سب اس ایکٹ کے تحت انجام دیے گئے متصور ہوں گے۔

(مطبوعہ: روزنامہ ’’اسلام‘‘ ۲۰ رجنوری ۲۰۱۶ء)

☆......☆......☆

پروفیسر خالد شبیر احمد

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیے

ملکی سیاسی حالات کو دیکھ کر شورش کاشمیری رحمتہ اللہ علیہ کا ایک شعر بے اختیار لبوں تک آجاتا ہے:

ہمارے ہاں کی سیاست کا حال مت پوچھو　　گھری ہوئی ہے طوائف تماش بینوں میں

سیاست اتنی پراگندہ ہو چکی ہے کہ الفاظ و بیان سے ماورا ہو کے رہ گئی ہے۔ سیاست دانوں میں نہ خوفِ خدا رہا نہ حب الوطنی، کسی مسئلہ پر کوئی اتفاق ہی نہیں ہے۔ ہر مسئلہ نفاق و افتراق کا زاویہ ہے۔ کالا باغ ڈیم کا مسئلہ بھی اس خلفشار کی نذر ہو کے رہ گیا اور اب چینی راہداری کا ۴۶ ارب ڈالر کا منصوبہ سیاست دانوں کے درمیان نزاع کا موضوع بن چکا ہے۔ اگر آغاز یہ ہے تو اختتام کیا ہوگا؟ سیاسی جماعتیں جب تجارتی ادارے بن کے رہ جائیں تو ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں، نہ کوئی نصب العین، نہ عزم، نہ ارادہ سب کچھ دھرے کا دھرے رہ جاتا ہے۔ جمہوری طرزِ حکومت کے جتنے فوائد دوسرے ملکوں میں ہیں یہاں ان میں سے ایک بھی نظر نہیں آتا اور جمہوریت کے جتنے نقائص ہیں وہ سارے کے سارے ہمارے ملک میں بھوتوں کا ناچ ناچتے نظر آتے ہیں۔

ہم قیام پاکستان سے پہلے مسلمان سیاست دانوں پر نظر دوڑائیں تو دل و دماغ ان کی بہادری، ان کی جرأت، ان کے عزم، ان کے خلوص اور ان کے ایثار کے حضور سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ ان کا سب سے بڑا وصف تھا کہ وہ ابہام و تشکیک کا شکار نہیں تھے۔ ایک واضح نصب العین ان کے سامنے تھا۔ جس کے حصول کے لیے وہ پورے عزم کے ساتھ اپنی منزل تک پہنچ کے ہی رکے۔ سیاست اور صحافت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ پاکستان سے پہلے کے سیاست دان جتنے بڑے سیاست دان تھے اتنے ہی بڑے اہل علم بھی تھے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا حسرت موہانی جو ہندوستان کے پہلے کامل آزادی کا نعرہ لگانے والوں میں سرفہرست تھے وہ جہاں سیاسی رہنما تھے وہیں پر وہ ایک بہت بڑے شاعر ادیب صحافی بھی تھے۔ مولانا ابوالکلام آزاد آزادیٔ ہند کے رہنماؤں میں ایک منفرد حیثیت کے حامل تھے تو علم و فضل و صحافت کے میدان میں بھی انھوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیے۔ ان کا ''البلاغ''، ''الہلال'' جہاں آزادیٔ ہند کا ترجمان تھا وہیں وہ صحافت کے میدان میں اعلیٰ و ارفع معیار کا بھی حامل تھا۔ اسی طرح مولانا محمد علی جوہر کا نام اگر آزادی کے حوالے سے ایک روشن استعارہ بن چکا ہے تو دوسری طرف صحافت کے میدان میں ان کا ''ہمدرد'' اور ''کامریڈ'' بھی اس آزادی کے لیے سرگرم کار رہا۔ مولانا ظفر علی خان نے آزادی کے لیے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں اور اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے صحافت کے میدان میں بھی اپنے روزنامہ ''زمیندار'' کے ذریعے دلیری کے ساتھ آزادی کے مشن کو نامساعد حالات میں بھی جاری رکھا۔ جب ہمارے ہاں

سیاست وصحافت اونچے معیار کی تھی تو پھر انگریز جیسا فرعون مزاج حکمران ہندوستان کو ۹۰ سال سے زیادہ غلام نہ رکھ سکا اور اسے بوریا بستر یہاں سے اٹھا اپنے ملک سدھارنا پڑنا۔ ہندوستان کیا آزاد ہوا کہ اقوامِ عالم آزاد ہوگئیں۔

اب یہاں سیاست ہی نہیں صحافت بھی غیر معیاری ہے۔ کالم نویس ہوں یا پھر الیکٹرانک میڈیا پہ کام کرنے والے ''اینکر'' حضرات سبھی ایک ہیں۔ میں ان نام نہاد صحافیوں اور اینکرز کے ٹی وی پر تبصرے اور تجزیے سنتا اور دیکھتا رہتا ہوں، یہ لوگ بزعمِ خویش اپنے آپ کو نہ جانے کتنے بڑے صحافی سمجھتے ہوں گے۔ مگر ان کی گفتگو، ان کے تبصرے، ان کے تجزیے، علم وتنقیدی صلاحیت، خبریت اور پیشہ ورانہ خلوص سے خالی ہوتے ہیں بلکہ بے پر کی اڑاتے ہیں۔ ایسی باتیں کرتے ہیں کہ سن کر معیارِ صحافت پر رونے کو جی چاہتا ہے۔ کبھی ان حضرات نے دین کے حوالے سے بات نہیں کی اور نہ انھوں نے ان رہنماؤں کا تذکرہ کیا ہے جن کی قربانیوں سے ملک آزاد ہوا۔ کہیں پر خلفاءِ راشدین کی اُن خصوصیات کا ذکر نہیں کیا گیا جن خصوصیات کی وجہ سے وہ آدھی دنیا پر حکومت کرتے رہے۔ ان صحافیوں نے یہاں تک بھی کہا ہے کہ ہم علامہ اقبال کو مصورِ پاکستان نہیں مانتے، پاکستان دین کے نام پر معرضِ وجود میں نہیں آیا۔ مسلم لیگ اور قائداعظم تو ایک لبرل اور سیکولر پاکستان چاہتے تھے۔ ہمیں ماضی کے اقبال سے کوئی سروکار نہیں ہے ہمیں آج کا اقبال چاہیے۔ یہ اینکر حضرات ایک طرف ایک جماعت کے کسی سیاسی لیڈر کو سمجھاتے ہیں تو دوسری طرف اس کی مخالف جماعت کے لیڈر کو بٹھا کر انھیں لڑاتے ہیں، ان کے درمیان جھگڑا کراتے ہیں اور درمیان میں تجارتی اشتہارات کو دکھاتے ہیں۔ گویا ٹی وی کے مختلف چینل سودا بیچنے کے اڈے بن چکے ہیں، ایسے پروگراموں سے بھلا کیا قوم کی فکری وتجزیاتی صلاحیتوں کی تعمیر ہوگی۔ عریانی وفحاشی کے یہ اڈے ملک کے نوجوان طبقے پر بری طرح سے اثر انداز ہو رہے ہیں، قتل وغارت، جنسی بے راہ روی کو آخری حد تک لے جانے کے ذمہ دار یہی لوگ ہیں۔ کیا ایسی سیاست اور ایسی صحافت تجارت نہیں تو پھر اور کیا ہے۔ آج کل کے کالم نویس، اینکر حضرات کروڑ پتی بن چکے ہیں۔ اگر انھیں قلم فروش کہا جائے تو کیا غلط ہے۔ جس طرح سیاست تجارت ہوگئی ہے ویسے ہی صحافت بھی ایک تجارت ہے پھر علم سیاسیات سے بھی ایسے لوگ بے بہرہ ہیں، انھیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ریاست اور حکومت میں کیا فرق ہے۔ سیاسی رہنما یہ نہیں جانتے کہ وحدانی طرزِ حکومت اور وفاقی طرز حکومت میں کیا فرق ہے، علم سیاسیات سے بے بہرہ لوگ جب ملکی سیاست پر چھا جائیں تو پھر سیاست کا مزاج کیسے اعتدال پر رہ سکتا ہے۔

اس پہ طرہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے ملک پر ایسا نظامِ سیاست مسلط کر رکھا ہے جو وفاقی بھی ہے اور پارلیمانی بھی ہے جو جمہوریت کے تمام نظاموں میں سب سے مشکل ترین نظام ہے۔ ان سیاست دانوں کو معلوم نہیں ہے کہ جہاں خوشحالی نہ ہو، لوگ سیاسی شعور سے ناآشنا ہوں، اچھی قیادت سے قوم محروم ہو وہاں ایسا مشکل نظام کیسے کامیاب ثابت ہوسکتا ہے۔ ان سیاست دانوں کا یہ حال ہے کہ اٹھارویں ترمیم کر کے آج اس کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حالات پر خود پریشان ہیں۔ یہ کراچی کے حالات، رینجرز کے اختیارات کا جو مسئلہ ہے، یہ اٹھارویں ترمیم کا نتیجہ ہے۔ وفاق کو کمزور کر کے حالات کو اتنا

خراب کر دیا گیا ہے کہ اب اس کا تدارک سامنے نظر نہیں آتا۔ سندھی سب سے پہلے سندھی ہے، بعد میں پاکستانی اور ایسا ہی حال دوسرے صوبوں کا ہے۔ وہ یکجہتی، وہ اتفاق، وہ اتحاد کیسے پیدا ہوگا جو قوموں کی ترقی کا باعث ہوتا ہے۔ ملکی دستور جس ملک کے اندر صرف ایک کتاب میں ہی رہ جائے اور اس پر عمل نہ ہو رہا ہو وہاں پر حالات ایسے ہی ہو جاتے ہیں۔ ملک کے سیاست دان خود دستور پر عمل کرانے سے گریزاں ہیں اس لیے کہ دستور پر عمل کرنے سے ان کی اپنی زندگی جو عیش وعشرت میں گزر رہی ہے ناممکن ہو جائے گی۔ دستور میں تو حاکمیتِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، اسلامی معیشت اور معاشرت کا تذکرہ ہے، خلافِ شرع قوانین نہیں بن سکتے، جو ہیں انھیں اسلام کے مطابق کرنے کی پابندی ہے، اردو کو قومی زبان بنانے کا بھی ذکر ہے۔ جب کہ صورت حالات یہ ہے کہ سودی نظام ملک پر مسلط ہے حالانکہ کئی برس پہلے پاکستان کی شریعت کورٹ نے سود کو حرام قرار دے دیا تھا جس کے خلاف اس وقت کی مسلم لیگی قیادت نے اس کے خلاف اپیل سپریم کورٹ میں کر دی تھی اور وہ اپیل آج تک سپریم کورٹ کے کولڈ سٹوریج میں پڑی ہے۔ یہی سبب ہے زنا اور شراب اب ملک کے اندر ایک وبا کی صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ یہ ہیں وہ حالات جن سے ہمارا واسطہ ہے، ان تمام حالات کے ذمہ دار ہمارے ملک کے سیاست دان ہیں اور پھر دوسرے درجہ میں یہ ملکی نام نہاد صحافت کے دعوے دار۔

دور تک پھیلتا نفرت کا دھواں ہے کہ جو تھا　　وقت کی دار پہ دل نوحہ کناں ہے کہ جو تھا
غنچۂ گل خاک بہ سر، نالہ بلب ہے بلبل　　صحنِ گلشن میں وہی شورِ فغاں ہے کہ جو تھا
عیش وعشرت میں پلے مست یہاں زاغ و زغن　　لمحۂ زیست یہ انساں پہ گراں ہے کہ جو تھا
پاؤں میں میرے وہی جبر کی زنجیرِ قدیم　　ظلم ہر سمت یہاں رقص کناں ہے کہ جو تھا
مجھ کو دیکھا تو سرِ بزم وہ بولے خالدؔ　　یہ وہی شعلہ نفس، شعلہ فشاں ہے کہ جو تھا

☆......☆......☆

محمد نعمان سنجرانی

ذکرِ الٰہی کی فضیلت

ذکر اللہ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

”فَاذْکُرُوْنِیْ أَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَ لَا تَکْفُرُوْنَ“ (البقرہ:۱۵۲)

ترجمہ: تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور تم میرا شکر کرو، میری ناشکری نہ کرو۔

ایک اور آیت میں ہے:

”یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اذْکُرُوْا اللّٰہَ ذِکْراً کَثِیْراً“ (الاحزاب:۴۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا بہت زیادہ ذکر کیا کرو۔

”وَاذْکُرِاسْمَ رَبِّکَ وَ تَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبْتِیْلًا“ (المزمل:۸)

ترجمہ: تو اپنے پرودگار کے نام کا ذکر کرو اور ہر طرف سے بے تعلق ہو کر اُسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

ان آیاتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بہت فضیلت والا عمل ہے۔ ایک انسان کے لیے اس سے بڑھ کر فرحت وانبساط کا مقام کیا ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو یاد کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور اللہ تعالیٰ نے ذکر اللہ کو ہی مؤمن کے دلوں کا اطمینان وسکون قرار دیا ہے۔ ذکر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے مغفرت وبخشش اور اجرِ عظیم کا اعلان فرمایا ہے۔ جیسا کہ سورۂ احزاب میں ہے:

وَالذَّاکِرِیْنَ وَالذَّاکِرَاتِ أَعَدَّ اللّٰہُ لَھُمْ مَّغْفِرَۃً وَّ أَجراً عَظِیْمًا (الاحزاب:۳۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرنے والے مرد اور بہت یاد کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بخشش اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نامِ نامی کا مبارک اثر دنیا و مافیہا پر کیا ہوتا ہے اس کا اندازہ ایک حدیث مبارکہ سے ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا:

عن أنس أن رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال: لَا تَقُوْمُ السَّاعۃُ حَتی لَا یُقالُ فِی الْأَرْضِ اللّٰہ اللّٰہ. (صحیح مسلم، رقم: ۱۴۸)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا۔

حدیثِ قدسی:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بے شک اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں ذکر کرنے والوں کو ذکر کی جگہوں پر تلاش کرنے کے لیے سیر و سیاحت کرتے ہیں اور جب وہ کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصد اور ضرورت کو پہنچو۔ فرمایا: پھر وہ ان کو اپنے پروں سے آسمان تک گھیر لیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان کا رب ان (فرشتوں) سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہتر جانتا ہے، میرے بندے کیا کہتے ہیں؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تیری تسبیح اور تکبیر بیان کرتے ہیں اور تیری حمد و تمجید بیان کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا انھوں نے مجھے دیکھا ہے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: نہیں، انھوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہوگی؟ وہ جواب دیتے ہیں اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو پھر آپ کی بہت زیادہ عبادت کریں اور آپ کی بہت زیادہ بزرگی، تعریف اور تسبیح بیان کریں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں وہ مجھ سے کس چیز کا سوال کرتے ہیں؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: وہ آپ سے جنت کا سوال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کیا انھوں نے جنت دیکھی ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں: نہیں، اللہ کی قسم! ہمارے رب! انھوں نے جنت نہیں دیکھی۔ فرمایا: اگر وہ جنت دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہوگی؟ فرشتے کہتے ہیں: اگر وہ جنت دیکھ لیتے تو بہت زیادہ اس کی حرص رکھتے اور اس کی تلاش میں زیادہ کوشش کرتے اور بہت زیادہ رغبت رکھتے۔

اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ وہ جواب دیتے ہیں: آگ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ پوچھتے ہیں کیا انھوں نے جہنم کی آگ دیکھی ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں: نہیں، ہمارے رب اللہ کی قسم! انھوں نے اسے نہیں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اگر وہ اسے دیکھ لیں تو ان کی کیا حالت ہوگی؟ وہ کہتے ہیں اگر وہ اسے دیکھ لیں تو اس سے بہت زیادہ راہِ فرار اختیار کریں اور بہت زیادہ ڈریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ یقیناً میں نے انھیں بخش دیا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ان فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے: فلاں شخص ان میں سے نہیں، وہ تو کسی ضرورت و حاجت کے تحت آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ جواب دیتے ہیں: یہ ایسے جانشین اور اصحاب مجلس ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بد بخت و بے نصیب نہیں رہتا۔

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات: باب فضل ذکر اللہ عزوجل، ۶۴۰۸۔ اسی مفہوم کی احادیث صحیح مسلم اور ترمذی میں بھی مروی ہیں)

فائدہ:

اس حدیث مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بے مثال فضیلت بیان ہوئی ہے اور معلوم ہوا کہ اہلِ ذکر کی مجلس میں بیٹھنا بھی باعث اجر و ثواب ہے، اُن کے ساتھ اخلاص نیت کے بغیر بھی بیٹھنے والا بد بخت اور بے نصیب نہیں رہتا۔

اسی طرح فرمانِ نبوی ہے کہ تیری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ (ترمذی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے ذکر کرنے والے اور ذکر نہ کرنے والے کی مثال زندہ اور مردہ انسان کے ساتھ دی ہے: ''اس شخص کی مثال جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے اور جو اپنے رب کا ذکر نہیں کرتا ایسے ہے جیسے زندہ اور مردہ''۔ (مسلم)

نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کہیں دینی اجتماع اور مجلس ہو تو اس میں ضرور شرکت کرنی چاہیے، کیونکہ ایسی مجالس میں بیٹھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتوں نے گھیر رکھا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مجلس میں شریک لوگوں کو اپنی مغفرت عطا فرماتے ہیں۔

یہ بات یاد رہے کہ ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ کی یادداری و ندا کرے، ان کے اسمِ ذاتی کو پکارنے کے ساتھ قرآن وحدیث میں مذکور وہ تمام مسنون دعائیں واذکار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واصحابِ رسول علیہم الرضوان اور اہلِ حق نے سکھائے ہیں۔

کچھ کم علم اور کج بحثی کے شوقین ایسے بھی ہیں جو اپنی کوتاہی معلومات کی وجہ سے ذکر اللہ کو معاذ اللہ بدعت اور ذاکرین کو بدعتی سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ اللہ کو یاد کرنے اور راضی کرنے والے اذکار واعمال ہیں اور ایسی مجالس میں شرکت اوپر مذکور بشارتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔

بہت سے سادہ لوح مسلمان نام نہاد پیروں کو اہل اللہ اور ولی اللہ سمجھتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ کتاب اللہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ حق سے کوسوں دور ہیں۔ ان کے متبعین انھی کے خودساختہ، گھڑے ہوئے ذکرواذکار مثلاً پیروں کے نام جپنا، دھمال ڈالنا، اچھلنا کودنا، کتوں کی طرح بھونکنا وغیرہ کو ذکر اللہ اور نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ایسے ایمان دشمن، جاہل پیروں، کم علم اور کج بحث لوگوں کے شر سے خود بھی بچیں اور اپنے مسلمان بھائیوں کو بھی بچائیں۔

حکمِ خداوندی بھی یہی ہے کہ:

وَتَعَا وَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَا وَنُوْا عَلَى الْاِ ثْمِ وَ الْعُدْ وَانِ وَاتَّقُوااللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ. (المائدہ:۲)

ترجمہ: اور (دیکھو) نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔ اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے۔

اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے پر چلا اور ہمیں اس جماعت سے وابستہ رکھ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کے راستے پر ہو۔ آمین

سید عزیز الرحمٰن

جذبۂ ایثار اور ہمارے رویے

اخلاقِ حمیدہ میں سے ایک ایثار بھی ہے، اور حضور اکرم نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جس اسوۂ حسنہ اور خلقِ عظیم کی اتباع کی ہمیں تاکید کی گئی ہے، ایثار کی صفت بھی اس کا ایک اہم جز ہے۔ ایثار کیا ہے؟ ایثار دوسروں کی ضرورتوں کو اپنے اوپر ترجیح دینے اور انہیں اپنی ضرورتوں پر فوقیت دینے کا نام ہے خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلانا، خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کو راحت پہنچانا۔ اس اعتبار سے یہ جود وسخا اور فیاضی کا اعلیٰ ترین اور سب سے آخری درجہ ہے۔

ایثار بھی دوسری صفاتِ حسنہ کی طرح ایمان کی پہچان اور مومن کا شعار ہے، اس کی حیثیت محض اتنی ہی نہیں، یہ تبلیغ دین کا بھی ایک موثر ترین ذریعہ ہے۔ جب انسان کسی دوسرے شخص کی مشکل وقت میں مدد کرتا ہے، تو اس کے دل میں یقیناً اپنے لئے نرم گوشہ بھی پیدا کر لیتا ہے، پھر جب مدد اور تعاون ایثار کے درجے میں ہو، تو اس کا تاثر زیادہ مضبوط اور دیرپا ہوتا ہے، اس معاملے کا یہی ایسا پہلو ہے جو ہمارے لئے دورِ جدید اور عصرِ حاضر میں اہم ہے اور ہماری نظروں سے پوشیدہ ہے، خصوصاً اس کے دعوتی پہلو سے پہلو تہی اور صرفِ نظر کیا جا رہا ہے، حال آں کہ ابتدائے اسلام میں فروغ اسلام میں اس صفت نے بھی بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔

ایثار کے حوالے سے انصارِ مدینہ کا کردار نہایت اہم ہے۔ اسی لیے قرآنِ حکیم نے بھی ان کے جذبے کو سراہا اور اسے قابلِ تقلید قرار دیا۔ جب بنو نضیر کی زمین مسلمانوں کے قبضے میں آئی اور اس کا بڑا حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کی ضرورت کو دیکھتے ہوئے انہیں عطا کر دیا تو انصار نے اس فیصلے کو نہایت خوش دلی سے قبول کیا۔ قرآنِ حکیم میں ان کے اس جذبے کی ستائش کرتے ہوئے فرمایا گیا:

> وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ يُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَيْهِمْ وَلَايَجِدُوْنَ فِيْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْكَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ O(۱)
>
> اور ان لوگوں کے لیے جو مہاجرین سے پہلے ہجرت کے گھر (یعنی مدینے) میں مقیم اور ایمان میں (مستقل) رہے اور جو لوگ ہجرت کر کے ان کے پاس آتے ہیں ان سے محبت کرتے ہیں اور جو کچھ ان کو ملا اس سے اپنے دل میں کچھ خواہش اور خلش نہیں پاتے اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہی ہو اور جو شخص حرصِ نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے لوگ ہی مراد پانے والے ہیں۔

ملاحظہ کیجئے یہاں حضرات انصار کے صرف جود وسخا کا ہی ذکر نہیں ہے، بل کہ اللہ تعالیٰ ان کے جذبۂ ایثار کا ذکر فرما کر ان کی تحسین فرما رہا ہے، اور قرآن کریم کے اسلوب میں یہ انداز انت کی تعلیم کے لئے اختیار فرمایا جاتا ہے۔

ایک مرتبہ ایک شخص کو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو پہاڑوں کے درمیان پھیلا ہوا ریوڑ عنایت فرمایا، وہ اس امر سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ اپنی قوم میں جا کر کہنے لگا:

یا قومی اسلموا ، فان محمداً یعطی عطاءً لا یخشی الفاقة(۲)

اے لوگو! اسلام لے آ ؤ کیوں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اتنا دیتے ہیں کہ وہ اپنے فقیر ہونے کی بھی پروانہیں کرتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کے علاوہ ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں، جب آپ نے دوسروں کی ضرورتوں کو اپنی حاجتوں پر ترجیح دی اور خود بھوکے رہ کر دوسروں کو نوازدیا ان واقعات کا تعلق زیادہ تر مسلمانوں یعنی صحابہ کرام سے ہے، مگر اس میں کوئی تفریق نہیں تھی، جیسا کہ اوپر بیان ہونے والے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے۔

ایک بار ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے شادی کی، ولیمے کے لئے گھر میں کچھ سامان نہ تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوا تو فرمایا کہ جاؤ اور عائشہ (رضی اللہ عنہا) سے آٹا مانگ لاؤ، وہ گئے اور آٹا لے آئے۔ راوی کا بیان ہے کہ کا شانہ نبوت میں اس روز اس آٹے کے علاوہ شام کو کھانے کو کچھ نہ تھا۔ (۳) اور وہ بھی ایک ضرورت مند کو دے دیا گیا تھا۔

ایسے ہی ایک واقعہ یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک بار ایک غفاری قبیلے کا شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں آ کر مہمان ہوا، اس رات کا شانہ نبوت میں رات کے کھانے کی جگہ صرف بکری کا دودھ تھا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مہمان کی نذر کر دیا اور نبی رحمت کے ہاں اس رات فاقہ رہا۔ ہمارے لئے مقام تفکر یہ ہے کہ اس سے پہلی شب میں بھی خانہ نبوت میں فاقہ ہی تھا۔ (۴)

ایثار کی ایک اس سے بھی بڑھ کر اعلیٰ قسم ہے کہ انسان اپنے اہل خانہ اور قریبی متعلقین کی جائز ضرورتوں پر عام لوگوں کی ضرورتوں کو ترجیح دے، نبی اول وآخر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں اس کے بھی عمدہ عملی نمونے ملتے ہیں۔ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی امر کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست رد کر دی اور فرمایا:

لا اعطیکم و ادع اهل الصفة، تلوی بطونهم من الجوع(۵)

یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تم کو تو دے دوں اور اہل صفہ کو اس حال میں چھوڑ دوں کہ وہ بھوک سے اپنے پیٹ لپیٹے پھریں۔

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے ہم راہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

درخواست کی کہ حضرت فاطمہ کے چکی پیتے پیتے اور آٹا گوندھتے گوندھتے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ حالیہ غزوے کے مالِ غنیمت میں جو لونڈیاں آئی ہیں، ان میں سے ایک دو مل جائیں، باوجودے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھا کہ آپ کی صاحب زادی کس حالت اور فاقہ کشی وتنگ دستی کی کس کیفیت سے دوچار ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی درخواست قبول نہیں فرمائی، بل کہ ان سے فرمایا:

واللہ لا اعطیکما وادع اھل الصفۃ تطوی بطونھم، لا اجد ما انفق علیھم، ولکنی ابیعھم وانفق علیھم اثمانھم(۶)

خدا کی قسم میں تمھیں نہیں دے سکتا۔ میں تمھیں کیسے دے دوں، حالانکہ اہل صفہ بھوکے بیٹھے رہیں۔ میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو ان پر خرچ کرسکوں، لیکن میں ان غلاموں کو بیچوں گا اور ان کی رقم اہل صفہ پر خرچ کروں گا۔

ایک جانب سیرت طیبہ کے یہ روشن واقعات ہیں اور دوسری جانب ہمارے تاریک اعمال اور ظلمتوں سے بھرے ہوئے طور وطریقے، جہاں ہر برائی بلا دلیل رواج پاسکتی ہے، مگر کسی اچھائی کو بار نہیں مل سکتا، صفت ایثار بھی ہمارے اسی طرزِ عمل کا شکار ہے۔ ہماری فیاضی میں کوئی شک نہیں، مگر اب وہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جواز ڈھونڈنے لگی ہے، اور ایثار کا تو ہماری زندگیوں میں کہیں دور سے بھی گزر نہیں۔

اوپر کی سطور میں جو واقعات ذکر کئے گئے وہ تو بہت زیادہ اعلیٰ درجے کے ہیں، مگر ہم تو عام نوعیت کے معاملات میں بھی دوسروں کا حق مار کر خوش ہوتے ہیں اور دوسروں کو تکلیف پہنچا کر ہمیں راحت ملتی ہے۔ اگر سڑک پار کرتے ہوئے بزرگ، خواتین اور بچوں کو دیکھ کر ہم اپنی گاڑیاں روک لیں تو ہمیں کتنے لمحات کی قربانی دینی ہوگی؟ اگر بل جمع کراتے ہوئے ہم قطار بنالیں تو سوچئے کہ فائدہ آخر کس کو ہوگا؟ اگر آج آپ بغیر قانون کے گاڑی آگے بڑھا کر لے جاتے ہیں اور ساتھ والی گاڑی کو اس کے استحقاق کے باوجود راستہ نہ دے کر خوش ہوتے ہیں تو ذرا دل تھام کر سوچئے کہ کل یہ صورت حال آپ کے ساتھ پیش آجائے تو آپ کا ردعمل کیا ہوگا؟ غلط اوورٹیک کرنا، غلط جگہوں پر گاڑی پارک کرنا اور غلط راستے سے اپنی گاڑی نکال لینا بھی اس قسم کے معاملات ہیں، یہ تمام امور تھوڑا سا تحمل اور تھوڑا سا ایثار چاہتے ہیں۔ اگر ہم یہ فیصلہ کرلیں کہ ان تمام جگہوں پر تھوڑے سے تحمل اور تھوڑے سے ایثار کا مظاہرہ کرنے میں نہیں ہچکچائیں گے تو ہماری زندگی کے تقریباً چالیس فیصد لمحات خوش گوار ہوسکتے ہیں، اتنے ہی فیصد ذہنی دباؤ اور پریشانی سے ہم نجات حاصل کرسکتے ہیں اور اس عمل کے بعد ہمارا وقت کس قدر بچتا ہے، یہ تجربے اور عمل ہی سے معلوم ہوگا۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ جس ایثار کا درس ہمیں سیرت طیبہ سے مل رہا ہے، وہ خود ہمارے لئے مفید ہونے کے ساتھ ساتھ ہمارے مذہب کا بھی حصہ ہے، سو کم از کم وہ حضرات جو دین کے ماشاءاللہ بہت سے پہلوؤں پر نہایت دل جمعی،

خشوع وخضوع اورنہایت اہتمام سے عمل پیرا ہوتے ہیں اگر اس پہلو کو بھی نظر انداز نہ کریں تو کم از کم ۳۰، ۴۰ فیصد معاشرہ تو ایثار پسند خود ہی ہو جائے۔

ایثار کا ایک اہم پہلو دوسروں کے کام آنا ہے، اہم بات یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کے ذریعے یہ ثابت کرے کہ وہ قربانی دینا جانتا ہے، اس کا عمل یہ بتائے کہ وہ اس لذت سے آشنا ہے جو کسی کے کوئی ضرورت پوری کر کے اور ایسے انداز میں ضرورت پوری کر کے اسے لذت حاصل ہوتی ہے جب وہ اپنی کسی ضرورت کی قربانی دیتا ہے یا کم سے کم اپنے آرام یا آسائش کو تج کر، مشقت اٹھا کر، اور اپنی آرام کی قربانی دے کر کسی کے کام آتا ہے اور اس کی ضرورتوں کی تکمیل کرتا ہے۔ یوں تو اپنے کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دینا بھی اچھی اور محمود صفت ہے، لیکن یہ تو ہمارے معاشرے میں عام طور پر ہوتا ہی ہے، صرف اعلیٰ طبقے اور قائدین کی کلاس کے لئے یہ بات اہمیت رکھتی ہے، لیکن اس سے بھی بڑھ کر اور صحیح معنی میں کرنے کا کام یہ ہے کہ انسان دوسروں کے کام آئے اور حسبِ استطاعت اور حسبِ توفیق دوسروں کے کام کر کے خوشی محسوس کرے، جن کی ادائیگی سے بہ وجوہ وہ قاصر ہوں، یا وہ بہ سہولت وہ کام نہ کر سکتے ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور سیرتِ مطہرہ کا مطالعہ ہمیں اس پہلو کو بھی روشن مثالوں اور قابلِ تقلید نمونوں سے روشن کرتا ہے۔ یہ بھی ایثار کی ایک قسم ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس میدان میں بھی ہماری رہ نمائی کرتا ہے۔ حبشہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مہمان آتے تھے آپ ہمیشہ ان کی خود خدمت کرتے تھے۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی خواہش ہوتی کہ یہ کارِ خیر ہم انجام دیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ ان کی خدمت میں خود کروں گا۔ کیوں کہ انہوں نے میرے دوستوں کی خدمت کی ہے۔ (۷) اس میں ہجرتِ حبشہ کی طرف اشارہ تھا، جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور قریش مکہ کے لالچ دینے، خوشامد کرنے اور سیاسی، سفارتی دباؤ ڈالنے کے باوجود شاہ حبش نجاشی نے نہ صرف انہیں قریش مکہ کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تھا، بل کہ انہیں رہائش وغیرہ کی بھرپور سہولتیں دے کر انہیں اپنے مہمان کی حیثیت سے اپنے ہاں ٹھہرایا تھا۔

اسی طرح حضرت خباب رضی اللہ عنہ ایک معروف صحابی ہیں، انہیں ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مہم کے سلسلے میں روانہ کیا، ان کے گھر میں کوئی مرد نہ تھا اور نہ ان کے گھر کی خواتین کو دودھ دوہنا آتا تھا، اس لئے جب تک وہ واپس نہیں لوٹے، اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے ان کے ہاں جاتے اور دودھ نکالا کرتے تھے۔ (۸)

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رویہ اور انداز مہربانی وخدمت گزاری صرف اپنے ساتھیوں، رفقا، خدام اور صحابہ کرام ہی کے ساتھ نہیں تھا، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی یہی برتاؤ رکھتے تھے اور ان کے ساتھ بھی آپ کا برتاؤ اسی نوعیت کی مہربانی، ہمدردی اور خدمت گزاری والا ہوتا تھا۔ طائف کے اس سفر سے کون واقف نہیں؟ کفارِ ثقیف نے نہ صرف یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعاون نہیں کیا، بل کہ الٹا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی کے درپے

ہوگئے اور آپ کو اس قدر تکالیف دیں کہ آپ لہولہان ہوگئے۔ سن ۹ ہجری کا واقعہ ہے کہ یہی کفارِ ثقیف اپنا وفد لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس موقع پر آپ نے خود ان کی خدمت کی، انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا، اوران کی میزبانی کے فرائض بہ نفس نفیس ادا کیے۔(۹)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل ہر ایک کے ساتھ بلاتفریق ہوتا تھا اور جیسا کہ اوپر تحریر کیا گیا اس میں کسی قسم کی تفریق نہیں فرماتے تھے۔ نہ تو مرد اور عورت کی بنیاد پر، نہ جان پہچان کی بنیاد پر، نہ معزز وغیر معزز کی بنیاد پر، بل کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہمدردانہ اور تعاون وخدمت پر مبنی رویہ ان لوگوں کے ساتھ بھی تھا جو عقل وشعور کے اعتبار سے بھی کم زور حیثیت کے حامل تھے۔ اخلاقِ حسنہ، خلق عظیم اور عظمتِ انسانی کی یہ وہ معراج ہے، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فائز تھے۔

ایک مرتبہ ایک خاتون نے جو مدینہ منورہ میں رہتی تھی اور اس کی ذہنی کیفیت درست نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر کہا کہ محمد! مجھے تم سے کچھ کام ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا نہ صرف یہ کہ برا نہیں منایا، بل کہ اسے کہا کہ جہاں تم کہو، میں جانے کے لئے تیار ہوں چناں چہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ دور لے گئی اور وہاں جا کر بیٹھ گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہیں اس کے ساتھ بیٹھ گئے اور پھر اس کا جو بھی کام تھا وہ پورا کیا، تب واپس لوٹے۔(۱۰)

اسی طرح ایک مرتبہ ایک بدو آیا اور آکر اس نے پاس ادب کئے بغیر بدویانہ طریقے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مبارک تھام لیا اور کہا کہ میرا یہ کام رہ گیا ہے اسے آپ خود کر دیں، ایسا نہ ہو کہ میں اسے بھول جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تھے اور جماعت تیار تھی، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ باہر نکل آئے اور اس کا مطالبہ پورا کیا، پھر نماز ادا کی۔(۱۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی اور حیات طیبہ کے پورے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ خواہ اپنا کام ہو یا کسی اور کی کوئی خدمت، جب بھی کبھی ایسا کوئی موقع سامنے آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ادائیگی کے لئے دوسروں سے پہلے کھڑے ہوتے اور نہ صرف یہ کہ اپنے صحابۂ کرام کے ساتھ اپنے لئے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے لئے ترجیحی بنیادوں پر کسی سلوک کے خواہش مند نہیں ہوتے تھے، بل کہ اس طرح کے ہر کام میں دوسروں سے بھی سبقت لے جاتے تھے۔ یہ صفت یقیناً انسانیت کی معراج ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکمل الخلق اور احسن الخلق ہونے کی وجہ سے اس معراج کی بھی آخری بلندی پر فائز تھے، لیکن کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا فرمودہ اسوۂ حسنہ اور راہ عمل نے ہمیں بھی اس عمل کی کبھی تحریک بخشی ہے؟ حقیقت تو یہ ہے کہ دوسری اور بہت سی اچھی صفات کی مانند اس صفت سے بھی ہم روز بہ روز دور ہوتے جا رہے ہیں۔

اس بعد کی سب سے اہم وجہ ہمارا افسرانہ کلچر ہے، جس میں خود اٹھ کر پانی پینا تو کجا، سامنے میز پر رکھے ہوئے گلاس کو اپنے ہاتھوں کو استعمال کرتے ہوئے اپنے ہونٹوں تک لانا بھی خلافِ شان تصور کیا جاتا ہے۔ یہ اندازِ زیست ان سے منتقل ہو کر کلرکوں

تک پہنچتا ہے، اور یہ کلاس جب اپنا آئیڈیل عملی طور پر کہیں نہیں پاتی تو گھر میں بادشاہی کے مزے لوٹتی ہے، اور اب دیکھا دیکھی یہ شان ہر طبقے کی کم زوری بن چکی ہے۔ نتیجتاً کوئی شخص بھی (الا ماشاءاللہ) انہیں حدوداور اپنے اپنے دائرۂ کار میں اس وقت تک کچھ کرنے پر آمادہ نظر نہیں آتا، جب تک کہ اس کے سر پر نہ آپڑے اور اس کے علاوہ کوئی چارۂ کار ہی نہ رہ جائے۔

یہ صورتِ حالات تو اپنے کام کے بارے میں ہے، رہا دوسروں کے کام آنا، تو اس کا تو تصور بھی امرِ محال ہے۔ بلاضرورت اور بے لوث طریقے سے دوسروں کے کام آنے کا تخیل بھی عنقا ہو چکا ہے، اور کبھی کہیں کوئی ایسا موقع آجائے تو سب سے پہلے یہی سوال ہوتا ہے کہ ہمیں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟ یہ سوداگرانہ ذہنیت ہماری ایک نہیں کئی ایک برائیوں کی جڑ ہے۔ خصوصیت کے ساتھ ہمارا مقتدر طبقہ جس میں حکم ران، اہل ثروت، عمائدین، معززین اور سیاسی شخصیات بھی شامل ہیں اور اہل طریقت بھی اور اہل شریعت بھی یہ سب اگر یہ فیصلہ کرلیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے، آج سے دن میں صرف ایک بار بے لوث طریقے سے کسی کے کام آئیں گے اور پھر اپنے اس نیک عمل کو اپنے ذہن سے مٹا دیں گے تو شاید چند ہی روز میں دوسروں کی شکایتیں کرنے والے خود ان کی شان میں رطب اللسان ہو جائیں۔

اس پہلو سے عمل کی راہیں منور کرنے کی سب سے زیادہ ضرورت شاید ہمارے دین دار طبقے کو ہے، جس کی ذمہ داریاں اس حوالے سے ویسے بھی دو چند ہیں اور ان کا یہ پہلو کئی اعتبار سے کم زور بھی ہے، سو کیوں نہ اس کارِ خیر کا آج ہی سے آغاز کر دیا جائے۔

اوپر صرف چند بنیادی پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایثار ایسی ہمہ جہت صفت ہے کہ زندگی کے ہر شعبے سے اس کا تعلق نکلتا ہے، غور وفکر کے در وا کیجیے اس کی عملی صورتیں خود بہ خود آپ کے سامنے آتی چلی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ عمل کی راہ آسان فرمائیں، آمین۔

حوالہ جات

۱۔الحشر:۹——۲۔مسلم: ج۴،ص۳۵۔رقم ۲۳۱۲——۳۔احمد: ج۴،ص۶۵۵۔رقم ۱۶۱۴۱——۴: احمد: ج۷،ص۵۴۴۔رقم ۲۶۶۸۴——۵۔احمد: ج۱،ص۱۲۸۔رقم ۵۹۷——۶۔ احمد: ج۱،ص۱۷۱۔رقم ۸۴۰——۷۔شرح الزرقانی——۸۔طبقات ابن سعد، ترجمہ خباب——۹۔قاضی عیاض۔الشفاء——۱۰۔ابوداؤد۔کتاب الادب——۱۱۔ابوداؤد۔کتاب الادب

مفتی منیب الرحمٰن   (تفہیم المسائل)

محافلِ میلاد میں منکرات کا ارتکاب

سوال: میلاد شریف کے جلسوں میں دف کا اہتمام کیا جانا اور جشنِ میلاد شریف کے جلسوں میں تالیاں بجانا، ڈھول اور رقص پر اصرار کیا جانا، شریعتِ مطہرہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے، کیا کہیں کوئی جواز کی صورت ہے یا دودھ وشہد میں نجاست وپلیدی ڈالنا اور حلال کو حرام کرنا ہے؟ دَف والی حدیث کو بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے اس حدیث کی روشنی میں مباح سمجھا جائے یا حدیث کو منسوخ سمجھا جائے یا پھر خصوصیت پر محمول کیا جائے؟ بعض حضرات صوفیہ کے سازوں کے ساتھ قوالی سننے کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ (تنظیمات اہل السنّت والجماعت، سرگودھا)

جواب: میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلسوں اور جلوس کا محرمات، مکروہات سے پاک ہونا ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کا ثبوت ہے کہ آپ کی بعثتِ مبارکہ کا مقصد ظلمت وجہالت کو دور کرنا اور احکامِ الٰہی کا پابند بنانا ہے، لوگوں کی رذیل صفات کو حسنِ اخلاق میں بدل دینا ہے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے دن کا اکرام انھی شرعی تقاضوں کے مطابق ہونا چاہیے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام علیہم الرضوان کی مجالس میں نظر آتے ہیں اس سے ہٹ کر کسی غیر شرعی امر کا ارتکاب دعوئ عشق ومحبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہے۔ میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوس نہ ضروریاتِ دین سے ہیں اور نہ ہی ضروریاتِ مسلک اہل السنّت والجماعت سے البتہ یہ برصغیر میں شعائرِ اہل سنت سے ہیں، یہ اگر محرمات، بدعات اور منکرات سے پاک ہوں تو زیادہ سے زیادہ استحباب واستحسان کے درجے میں قرار دیا جاسکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مبارک ہے، ''تم میں سے کوئی اس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے (شرح السنۃ للبغوی) حدیث کا واضح مفہوم یہی ہے کہ کامل ایمان کی علامت یہ ہے کہ انسان کا ہر قول وفعل، معاملات ومعمولات اور خواہشات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے مطابق ہونی چاہئیں۔ ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم نے دینی امور کو قرآن وسنت میں بیان کردہ حقائق کی روشنی میں طے کرنے کے بجائے اپنی وضع کردہ عقیدتوں اور خواہشات کی نذر کردیتے ہیں اور عقیدے وعقیدت کا تعین ایک ایسا طبقہ کرتا ہے جو دینی فہم سے عاری ونابلد ہے۔ محافلِ میلاد کے نام پر مقدس محافل کی آڑ میں بڑے بڑے کاروبار کیے جارہے ہیں بعض مقامات پر نعت خوانوں اور شعلہ بیان مقررین (جن کی اکثریت موضوع روایات کا سہارا لیتی ہے) کی ایجنٹوں کے ذریعے لاکھوں میں بکنگ ہورہی ہے، کسی زمانے میں شہر بھر میں سیاسی لیڈروں کی بڑی بڑی قدآور تصاویر لگائی جاتی تھیں، اب واعظین اور نعت خواں حضرات کی تصاویر صرف بازاروں اور چوراہوں تک محدود نہیں، بلکہ مساجد کے صدر دروازوں پر بھی آویزاں نظر آتی ہیں۔ انگلینڈ سے فون آیا کہ

اب پیر صاحبان کی تصاویر مساجد کے اندر آویزاں کی جارہی ہیں۔ ہمیں حال ہی میں سوشل میڈیا پر ایک باریش پیر کو جسے قبے کے ساتھ غیر محرم جوان عورتوں کے ساتھ بلاحجاب رقص کرتے ہوئے دکھایا، وہ ان کے ہاتھ پکڑے ہوئے نظر آتے ہیں کبھی وہ انھیں بوسہ دیتی ہیں، یہ حرام ہے۔ جب ابتذال اس حد تک پہنچ جائے تو علمائے کرام کو تمام مصلحتوں سے بالاتر ہو کر شدت کے ساتھ اس کے خلاف آواز اٹھانی چاہیے۔ کفار بیت اللہ شریف کے پاس تالیاں بجاتے اور اسے عبادت شمار کرتے تھے، قرآن مجید میں اسے کفر قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ترجمہ: ’’اور بیت اللہ کے پاس ان کی نماز اس کے سوا کیا تھی کہ یہ سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے، سو اب عذاب کو چکھو کہ کیونکہ تم کفر کرتے تھے (الانفال: ۳۵)

علامہ ابوعبداللہ محمد بن احمد قرطبی لکھتے ہیں: قرآن مجید نے سیٹیاں بجانے اور تالیاں پیٹنے کی جو مذمت کی ہے اس میں ان جاہل صوفیاء کا رد ہے، جو رقص کرتے ہیں، تالیاں پیٹتے اور بے ہوش ہونے کا مظاہرہ کرتے ہیں (جسے وَجد نہیں بلکہ تواجُد سے تعبیر کیا گیا ہے) (الجامع لاحکام القرآن، جزء ۷، ص: ۳۵۹، بیروت) شریعت مطہرہ میں تالیاں بجانے کو مکروہ عمل فرمایا ہے، علامہ ابن عابدین شامی لکھتے ہیں: ’’(ہر بیہودہ کھیل مکروہ ہے) یعنی ہر لہو ولعب اور عبث (بے مقصد کام) تینوں (یعنی لہو، لعب اور عبث) کے معنی ایک ہیں جیسا کہ ’’شرح التاویلات‘‘ میں ہے۔ لہو کو مطلق (یعنی کسی قید کے بغیر) ذکر کرنا نفسِ فعل اور اس کی توجہ سے سماعت کو شامل ہے، جیسے رقص کرنا، مذاق کرنا اور تالیاں بجانا، ڈھول بجانا، ستار بجانا، سارنگی بجانا، چنگ بجانا، قانون (ایک تاروالا باجا) بجانا، مزامیر کا استعمال، جھانجھ (مجیرا) بجانا اور بگل بجانا، یہ سب مکروہ ہیں کیونکہ یہ عاداتِ کفار ہیں۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، جلد: ۹، ص: ۴۸۱)

گانے کی دھن پر بنائی گئی موسیقی اور آلاتِ موسیقی کے ساتھ نعت پڑھنا، پڑھوانا اور سننا سب ناجائز ہے، علامہ علی قاری علیہ الرحمۃ الباری لکھتے ہیں: ’’جس نے دَف اور ڈانڈیا کے ساتھ قرآن کی تلاوت کی (وہ توہین قرآن کی وجہ سے) کفر کا مرتکب ہوا، میں (ملاعلی قاری) کہتا ہوں: اسی حکم کے قریب دَف اور ڈانڈیا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر یا نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھنا بھی ہے۔ (الفقہ الاکبر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ مکمل ضابطہ اور دستور ہے، احادیثِ مبارکہ میں صرف چند مواقع ایسے ملتے ہیں، جہاں دَف بجائی جارہی تھی، آپ نے ان مواقع پر کسی خاص سبب سے اعراض نہ کیا۔ لیکن آج تسکینِ نفس کی تکمیل کے لیے ہر شخص اسے سنت سے ثابت کرنے پر تلا رہتا ہے، جبکہ حدیث پاک میں ہے: یعنی مجھے آلاتِ موسیقی کو توڑنے والا بنا کر بھیجا گیا‘‘ کے کلمات بھی آئے ہیں۔ (کنزالعمال) حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک معرکہ سے واپس لوٹے تو ایک سیاہ رنگ کی بچی آکر کہنے لگی: ’’یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو صحیح سلامت لوٹا دے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی اور اشعار گاؤں گی۔ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تونے نذر مانی تھی تو، تو پھر دَف بجالے ورنہ نہیں۔ وہ لڑکی دَف بجانے لگی، اس اثناء میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے، وہ دف بجاتی رہی، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لائے، وہ دف بجاتی رہی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تشریف لائے، وہ تب بھی دف بجاتی رہی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو وہ دف کو اپنے سرین کے نیچے چھپا کر اس پر بیٹھ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اے عمر (رضی اللہ عنہ)! تم سے شیطان ڈرتا ہے، میں بیٹھا تھا یہ دف بجاتی رہی، پھر ابوبکر (رضی اللہ عنہ) آئے یہ دف بجاتی رہی، پھر علی (رضی اللہ عنہ) آئے یہ دف بجاتی رہی، پھر عثمان (رضی اللہ عنہ) آئے یہ دف بجاتی رہیا اور پھر اے عمر (رضی اللہ عنہ)! جب تم آئے تو اس نے دف رکھ دی۔ (سنن ترمذی)

امام احمد رضا قادری قدس سرہ العزیز لکھتے ہیں: ''دف کہ بے جلاجل یعنی بغیر جھانجھ (اسے جھانجر بھی کہتے ہیں) کا ہو اور تال سم کی رعایت سے نہ بجایا جائے اور بجانے والے نہ مرد ہوں نہ ذی عزت عورتیں، بلکہ کنیزیں یا ایسی کم حیثیت عورتیں اور وہ غیر محل فتنہ میں بجائیں تو نہ صرف جائز بلکہ مستحب ومندوب ہے: ترجمہ: ''حدیث میں مشروط دف کے بجانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کی تمام قیود کو فتاویٰ شامی وغیرہ میں ذکر کر دیا گیا اور ہم نے اپنے فتاویٰ میں اس کی تشریح کر دی ہے''۔ اس کے سوا اور باجوں سے احتراز کیا جائے، واللہ تعالیٰ اعلم۔ (فتاویٰ رضویہ، جلد:۲۱)

دَف اور ڈھولک میں فرق ہے، دف ایک طرف سے کھلا ہوتا ہے، جبکہ ڈھولک دونوں طرف سے بند ہوتا ہے لہٰذا دَف سے ڈھولک کا جواز ثابت نہیں کیا جا سکتا اور امام احمد رضا قادری نے دف کے ساتھ بھی جھانجھر نہ ہونے کی شرط لگائی ہے، جبکہ بعض لوگ جھانجھر والے دف کے ساتھ نوخیز قریب البلوغ یا بالغہ لڑکیوں سے ٹی وی پر گروپ کی شکل میں نعت پڑھواتے ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ بعض لوگ ہجرت کے موقع پر قبیلہ بنونجار کی بچیوں کے ان استقبالیہ اشعار سے استدلال کرتے ہیں: طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاع وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَادَعَالِلّٰہِ دَاعٍ ۔(سیرۃ الحلبیہ :۲/۲۳۵) یہ کَلِمَۃُ الْحَقِّ اُرِیْدُ بِھَا الْبَاطِلُ '' کے قبیل سے ہے۔ اوّلاً تو یہ کہ یہ ابتدائے اسلام کا دور تھا یہ بچیاں عہدِ اسلام کی تربیت یافتہ نہیں تھیں، بلکہ اس عہد کے قبائلی رواج کے مطابق انھوں نے ایسا کیا اور وہ بھی ایک دائرے میں تھا جبکہ مزامیر کو توڑنے کی روایات بعد کی ہیں۔ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگی فتوحات سے واپس تشریف لائے، کئی خوشی کے مواقع آئے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شعار کو رائج نہیں کی اور نہ ہی اس کی ترغیب دی۔ مغنیات سے کام لینا مشرکین مکہ کا شعار تھا۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''جنگ'' ۲۵ ردسمبر ۲۰۱۵)

حافظ عبید اللہ

مسلمانوں کے بارے میں قادیانی مذہب کا فتویٰ

ایک قادیانی واویلا اور اس کا جواب:

دیکھا گیا ہے کہ جماعت قادیانیہ اکثر یہ واویلا کرتی ہے کہ ہم تو مسلمان ہیں ہمیں زبردستی غیر مسلم قرار دیا گیا، لیکن وہ عوام کو یہ کبھی نہیں بتاتے کہ ان کے گُرو مرزا قادیانی اور اُن کے بڑے ان تمام مسلمانوں کو کیا سمجھتے ہیں جنہوں نے مرزا قادیانی کے دعووں کو قبول نہیں کیا، تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلو سے بھی نقاب اٹھایا جائے تا کہ دنیا کو عام طور پر اور ان مسلمانوں کو خاص طور پر جو قادیانیوں کے بارے میں ہمدردی کا جذبہ رکھتے ہیں معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ ان کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں اور ہاتھی کے دانت کھانے کے اور، دکھانے کے اور ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی کے مسلمانوں کے بارے میں فتوے:

''خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا ہے کہ ہر ایک شخص جس کو میری دعوت پہنچی ہے اور اس نے مجھے قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے اور خدا کے نزدیک قابل مواخذہ ہے''۔ (تذکرہ، صفحہ 519، طبع چہارم)

اپنے اس نام نہاد الہام میں مرزا قادیانی نے اپنے خدا کی طرف سے یہ فتویٰ جاری کیا ہے کہ جس نے مرزا کو قبول نہیں کیا وہ مسلمان نہیں ہے۔ اس طرح ساری امت اسلامیہ جس نے مرزا کو نبی یا مہدی یا مسیح تسلیم نہیں کیا وہ اس فتوے کی رو سے اسلام سے باہر نکل گئی۔

ایک اور جگہ مرزا نے لکھا:۔

''اب ظاہر ہے کہ ان الہامات میں میری نسبت بار بار بیان کیا گیا ہے کہ یہ خدا کا فرستادہ، خدا کا مامور، خدا کا امین اور خدا کی طرف سے آیا ہے جو کچھ کہتا ہے اس پر ایمان لاؤ اور اس کا دشمن جہنمی ہے''۔

(رسالہ دعوت قوم، رخ 11، صفحہ 62 حاشیہ)

ایک اور مقام پر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ماننے والے اور مرزا کو نہ ماننے والے دونوں کو یکساں کافر قرار دیتا ہے، چنانچہ لکھتا ہے:۔

''اور کفر دو قسم پر ہے۔ (اول) ایک یہ کفر کہ ایک شخص اسلام سے ہی انکار کرتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا رسول نہیں مانتا۔ (دوم) دوسرے یہ کفر کہ مثلاً وہ مسیح موعود کو (یعنی مرزا کے بقول اسے۔ ناقل) نہیں مانتا اور اس کو

باوجود اتمام حجت کے جھوٹا جانتا ہے جس کے ماننے اور سچا جاننے کے بارے میں خدا اور رسول نے تاکید کی ہے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں بھی تاکید پائی جاتی ہے۔ پس اس لئے کہ وہ خدا اور رسول کے فرمان کا منکر ہی (ہے۔ناقل) کافر ہے اور اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ دونوں قسم کے کفر ایک ہی قسم میں داخل ہیں''۔(حقیقۃ الوحی، رخ 22، صفحہ 185)

اس تحریر میں مرزا نے اس شخص کو جو اسے سچا نہیں مانتا اسی طرح کا کافر قرار دیا ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتا، واضح رہے کہ مرزا قادیانی نے اس عبارت میں مسیح موعود کے انکار کے الفاظ لکھے ہیں اور یہ بات سب جانتے ہیں کہ مرزا اور اس کی جماعت کے نزدیک مسیح موعود سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریم علیہا السلام نہیں بلکہ مرزا غلام احمد قادیانی ہے، ہم یہاں مرزا کے اس جھوٹ پر کہ خدا اور رسول نے اور پہلے نبیوں کی کتابوں میں غلام احمد قادیانی کو ماننے اور اسے سچا جاننے کی تاکید کی گئی ہے صرف یہ کہتے ہیں کہ۔ **لعنة الله علی الکاذبین** ۔

ایک اور جگہ مرزا نے یہ کہا کہ اس کے خدا نے اسے بتایا ہے کہ:۔

''جو شخص تیری پیروی نہیں کرے گا اور تیری بیعت میں داخل نہیں ہوگا اور تیرا مخالف رہے گا وہ خدا اور رسول کی نافرمانی کرنے والا اور جہنمی ہے''۔(تذکرہ، طبع چہارم، صفحہ 280)

یعنی وہ تمام مسلمان جنھوں نے مرزا کی پیروی نہیں کی اور اس کی بیعت نہیں کی وہ سب جہنمی ہوئے۔

اپنی جماعت کو مسلمانوں سے الگ رہنے کی تاکید:

''اپنی جماعت کا غیر کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کے متعلق ذکر تھا، فرمایا: صبر کرو اور اپنی جماعت کے غیر کے پیچھے نماز مت پڑھو بہتری اور نیکی اسی میں ہے اور اسی میں تمہاری نصرت اور فتح عظیم ہے اور یہی اس جماعت کی ترقی کا موجب ہے دیکھو دنیا میں روٹھے ہوئے اور ایک دوسرے سے ناراض ہونے والے بھی اپنے دشمن کو چار دن مُنہ نہیں لگاتے اور تمہاری ناراضگی اور روٹھنا تو خدا کے لئے ہے۔ تم اگر ان میں رلے ملے رہے تو خدا تعالے جو خاص نظر تم پر رکھتا ہے وہ نہیں رکھے گا۔ پاک جماعت جب الگ ہو تو پھر اُس میں ترقی ہوتی ہے''۔

(الحکم۔قادیان، نمبر 29 جلد 5، 10 / اگست 1901، صفحہ 3)

میرے مخالف یہودی، عیسائی اور مشرک:

''جو میرے مخالف تھے ان کا نام عیسائی اور یہودی اور مشرک رکھا گیا''۔ (نزول المسیح، رخ 18، صفحہ 382)

اپنے نہ ماننے والوں کو مرزا قادیانی کی گالیاں:

مرزا قادیانی نے نہ صرف ان سب مسلمانوں کو کافر اور جہنمی کہا جنھوں نے اس کے جھوٹے دعووں کو نہیں مانا

بلکہ انہیں گالیاں بھی دیں، چنانچہ ایک جگہ مرزا اپنی تصنیف کردہ کتابوں ''براہین احمدیہ، ازالہ اوہام، فتح الاسلام اور دافع الوساوس وغیرہ'' کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

''تلک کتب ینظر الیھا کل مسلم بعین المحبة والمودّة وینتفع من معارفھا ویقبلني ویصدّق دعوتي الا ذریّة البغایا الذین ختم اللہ علی قلوبھم فھم لا یقبلون ''(ترجمہ از ناقل) ان کتابوں کو ہر مسلمان پیار اور محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور ان کے معارف سے نفع حاصل کرتا ہے اور مجھے قبول کرتا ہے اور میری تصدیق کرتا ہے، مگر بدکار اور بازاری عورتوں کی اولاد جن کے دلوں پر اللہ نے مہر لگا دی ہے (وہ قبول نہیں کرتے)۔

(آئینہ کمالات اسلام، رخ5، صفحات 547و548)

وہ تمام مسلمان جو اپنے آپ کو ''روشن خیال'' سمجھتے ہیں لیکن وہ مرزا قادیانی کو نبی یا مسیح نہیں مانتے اور ان کا یہ کہنا ہے کہ قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے کر ان کے ساتھ زیادتی کی گئی ہے، انہیں مرزا قادیانی کی اس تحریر پر غور کرنا چاہیے کیونکہ اس میں وہ بھی داخل ہیں۔

ایک قادیانی دھوکہ اور اس کا ازالہ:

عام طور پر مرزا قادیانی کی اس تحریر کے بارے میں مرزائی مربی یہ کہتے ہیں کہ مولویوں نے لفظ'' البغایا '' کا ترجمہ ''بدکار یا بازاری عورتیں'' غلط کیا ہے اور وہ لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں، اس لفظ کا یہ ترجمہ نہیں۔ تو بجائے اس کے کہ ہم اپنی طرف سے کچھ کہیں کیوں نہ خود مرزا قادیانی سے ہی پوچھ لیا جائے کہ اس لفظ کا کیا ترجمہ ہے؟ تو آیئے اُسی سے پوچھتے ہیں:

مرزا نے اپنی کتاب (نور الحق، رخ8، صفحہ 163) پر یہی لفظ ''ذریة البغایا '' لکھا ہے اور اس کا اردو ترجمہ کیا ہے ''<u>خراب عورتوں کی نسل</u>''۔

اپنی کتاب (لجّة النور) میں مختلف مقامات پر لفظ ''البغایا'' لکھا ہے، اور ایک جگہ اس کا ترجمہ فارسی میں کیا ہے ''<u>زنہائے زانیہ</u>'' یعنی زانی عورتیں (رخ16، صفحہ 371)، ایک دوسری جگہ اس کا ترجمہ کیا ہے ''<u>زنان فاسقہ</u>'' یعنی فاسق عورتیں (رخ16، صفحہ 426)، اور اسی کتاب میں ایک جگہ ''البغایا'' کا واحد ''البغي'' لکھا ہے اور اس کا ترجمہ کیا ہے ''<u>زن فاحشہ</u>'' یعنی فاحشہ عورت (رخ16، صفحہ 428)۔

اسی طرح مرزا قادیانی نے ایک جگہ ''البغایا'' کا ترجمہ کیا ہے ''<u>زنان بازاری</u>'' یعنی بازاری عورتیں (خطبہ الہامیہ، رخ16، صفحہ 49)۔

ایک جگہ مرزا قادیانی نے لفظ ’’ابن بغاء‘‘ لکھا اور اس کا فارسی میں ترجمہ کیا ’’اے نسلِ بدکاران‘‘ یعنی بدکاروں کی نسل (مکتوب احمد، رخ 11 صفحہ 282)۔

ثابت ہوا کہ ’’ذریة البغایا‘‘ کا مطلب مرزا کی تحریروں میں زانی، فاسق، بازاری اور فاحشہ عورتوں کی اولاد کے سوا کچھ نہیں۔

مرد خنزیر اور عورتیں کتیاں:

مرزا قادیانی نے اپنے مخالفین کے بارے میں لکھا:۔

’’دشمن ہمارے بیابانوں کے خنزیر ہو گئے اور ان کی عورتیں کتیوں سے بڑھ گئی ہیں‘‘۔

(نجم الہدیٰ، رخ 14، صفحہ 53)

اور ظاہر ہے جس نے بھی مرزا قادیانی کے دعوائے مسیحیت و نبوت اور ظلی بروزی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کو نہیں قبول کیا وہ سب اس کے دشمن اور مخالف ہیں کیونکہ وہ اسے جھوٹا مدعی نبوت اور گستاخ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھتے ہیں۔

یاد رہے کہ مرزا قادیانی نے اپنے مخالفین اور خاص طور پر مسلمانوں کے علماء کے بارے میں دل کھول کر بدزبانی کی ہے، شاید ہی کوئی ایسی ’’گالی‘‘ ہو جو مرزا قادیانی نے نہ دی ہو، مثال کے طور پر مرزا قادیانی کی ’’خوش اخلاقی اور شیریں زبان‘‘ کے چند نمونے یہ ہیں (اے مردار خور مولویو، اے بدذات، اے خبیث، اے بدذات فرقہ مولویاں، انسانوں سے بدتر اور پلیدتر، بدبخت، پلید دل، خبیث طبع، مردار خور، ذلیل، دنیا کے کتے، رئیس الدجالین، رئیس المعتدین، رئیس المتکبرین، سلطان المتکبرین، سفیہوں کا نطفہ، شیخ احمقاں، شیخ الضال، شیخ چالباز، کمینہ، گندی روح، منحوس، یہودی صفت، یہودی، اندھا شیطان، گمراہ دیو، شقی، ملعون، سربراہ گمراہاں...... اور اس طرح کی سینکڑوں گالیاں)، لیکن دوسری طرف مرزا قادیانی نے یہ بھی لکھا کہ:۔

’’گالیاں دینا اور بدزبانی کرنا طریق شرافت نہیں ہے‘‘۔ (اربعین نمبر 4، رخ 17، صفحہ 471)

’’کسی کو گالی مت دو گو وہ گالی دیتا ہو‘‘ (کشتی نوح، رخ 19، صفحہ 11)

’’ناحق گالیاں دینا سفلوں اور کمینوں کا کام ہے‘‘ (ست بچن، رخ 10، صفحہ 133)

’’بدتر ہر ایک بد سے وہ ہے جو بدزبان ہے...... جس دل میں یہ نجاست بیت الخلاء یہی ہے‘‘

(قادیان کے آریہ اور ہم، رخ 20، صفحہ 458)

مرزا قادیانی کے پیروکار یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمارے حضرت جی نے یہ ’’گالیاں‘‘ نہیں دیں بلکہ انہیں

''سخت الفاظ'' کہتے ہیں، اور یہ الفاظ انہوں نے مجبوراً ان لوگوں کے جواب میں لکھے ہیں جنہوں نے ہمارے حضرت جی کو گالیاں دی تھیں، ہم ایک منٹ کے لئے فرض کر لیتے ہیں کہ کسی نے مرزا قادیانی کو گالیاں دی تھیں لیکن مرزا قادیانی نے تو یہ نصیحت کی تھی کہ:۔

''گالیاں سن کر دعا دو، پا کے دکھ آرام دو...... کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار''

(براہین احمدیہ حصہ پنجم، رخ 21، صفحہ 144)

تو مرزا نے خود اس نصیحت پر عمل کیوں نہ کیا؟، اور کیا اللہ کے نبی لوگوں کی سخت زبانی کے جواب میں اسی زبان میں جواب دیا کرتے ہیں؟۔

مرزا کے بیٹے اور دوسرے مرزائی خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کے فتوے:

''......کل مسلمان جو حضرت مسیح موعود (نقلی اور جعلی۔ناقل) کی بیعت میں شامل نہیں ہوئے خواہ انہوں نے حضرت مسیح موعود (یعنی مرزا قادیانی۔ناقل) کا نام بھی نہیں سنا وہ کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ میرے عقائد ہیں''۔(آئینہ صداقت، انوار العلوم، جلد 6، صفحہ 110)

ایک اور جگہ یہ فتویٰ جاری کیا:۔

''ہمارا یہ فرض ہے کہ ہم غیر احمدیوں کو مسلمان نہ سمجھیں اور ان کے پیچھے نماز نہ پڑھیں کیونکہ ہمارے نزدیک وہ خدا تعالیٰ کے ایک نبی کے منکر ہیں، یہ دین کا معاملہ ہے اس میں کسی کا اپنا کوئی اختیار نہیں کہ کچھ کر سکے''۔

(انوار خلافت، انوار العلوم، جلد 3، صفحہ 148)

پہلی تحریر کے الفاظ تو کسی تشریح یا وضاحت کے محتاج نہیں، دوسری تحریر میں مرزا محمود نے ایک بڑی اہم بات کی ہے، وہ یہ کہ وہ تمام لوگ جو مرزا قادیانی کو نبی نہیں تسلیم کرتے وہ اس لئے کافر ہیں کیونکہ وہ اللہ کے ایک نبی کے منکر ہیں، اب میں اپنے ان سادے اور بھولے مسلمان دوستوں سے عرض کرتا ہوں جن کا یہ کہنا ہے کہ ان کے بہت سے جاننے والے مرزائی ایسے ہیں جن کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم ہرگز کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے کہ وہ یہ بات کرنے والے اپنے قادیانی دوستوں سے پوچھیں کہ اللہ کے کسی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے یا نہیں؟ اگر کفر ہے تو پھر تم مرزا قادیانی کو نبی مانتے ہو، تو اس کا انکار کرنے والا کافر کیوں نہیں؟، اگر تو تمہارے نزدیک مرزا قادیانی واقعی نبی ہے تو پھر اس کا انکار ضرور کفر ہوگا، لہذا تمہارا صرف مرزا کو نبی ماننا ہی ان تمام مسلمانوں کو کافر کہنا ہے جو مرزا کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ تمہارا عقیدہ تمہاری زبان کا ساتھ نہیں دیتا۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مرزا محمود نے یہ بیان دیا:۔

”اب ایک اور سوال رہ جاتا ہے کہ غیر احمدی (یعنی غیر قادیانی۔ناقل) تو حضرت مسیح موعود (نقلی اور جعلی۔ناقل) کے منکر ہوئے اس لئے ان کا جنازہ نہیں پڑھنا چاہیے، لیکن اگر کسی غیر احمدی کا چھوٹا بچہ مرجائے تو اس کا جنازہ کیوں نہ پڑھا جائے، وہ تو مسیح موعود (نقلی اور جعلی۔ناقل) کا مکفّر نہیں۔ میں یہ سوال کرنے والے سے پوچھتا ہوں کہ اگر یہ بات درست ہے تو پھر ہندوؤں اور عیسائیوں کے بچوں کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا جاتا اور کتنے لوگ ہیں جو ان کا جنازہ پڑھتے ہیں، اصل بات یہ ہے کہ جو ماں باپ کا مذہب ہوتا ہے شریعت وہی مذہب ان کے بچہ کا قرار دیتی ہے، پس غیر احمدی کا بچہ بھی غیر احمدی ہوا، اس لئے اس کا جنازہ نہیں بھی نہیں پڑھنا چاہیے“۔

(انوارِ خلافت، انوار العلوم جلد 3، صفحہ 150)

آپ نے دیکھا کہ غیر قادیانیوں کو کیسے ہندوؤں اور عیسائیوں اور دوسرے کافروں کے ساتھ ملایا جارہا ہے۔

پھر ایک جگہ اپنا عقیدہ یوں بیان کیا:۔

”اور چونکہ میرے نزدیک ایسی وحی جس کا ماننا تمام بنی نوع انسان پر فرض کیا گیا ہے حضرت مسیح موعود (یعنی نقلی اور جعلی مسیح مرزا قادیانی۔ناقل) پر ہوئی ہے اس لئے میرے نزدیک بموجب تعلیم قرآن کریم کے ان کے نہ ماننے والے کافر ہیں خواہ وہ باقی سب صداقتوں کو مانتے ہوں“۔ (آئینہ صداقت، انوار العلوم، جلد 6، صفحہ 112)

یعنی ان سب مسلمانوں کو کافر کہا جارہا ہے جو مرزا کی وحی پر ایمان نہیں لاتے۔

مرزا قادیانی کے دوسرے بیٹے مرزا بشیر احمد کے بیانات:

”ہر ایک ایسا شخص جو موسیٰؑ کو تو مانتا ہے مگر عیسیٰؑ کو نہیں مانتا، یا عیسیٰؑ کو مانتا ہے مگر محمدؐ کو نہیں مانتا، اور یا محمدؐ کو مانتا ہے پر مسیح موعود (یعنی نقلی مسیح مرزا قادیانی۔ناقل) کو نہیں مانتا وہ نہ صرف کافر بلکہ پکّا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہے“۔ (کلمۃ الفصل، ریویو آف ریلیجنز، جلد 14 نمبر 3 و 4، مارچ اپریل 1915، صفحہ 110)

”اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں مومن ہونے کا معیار مسیح موعود (نقلی اور جعلی۔ناقل) پر ایمان لانے کو رکھا ہے جو مسیح موعود (یعنی نقلی مسیح مرزا قادیانی۔ناقل) کا انکار کرتا ہے اس کا پہلا ایمان بھی قائم نہیں“۔

(کلمۃ الفصل، ریویو آف ریلیجنز، مارچ اپریل 1915، صفحہ 142)

پہلی تحریر میں صاف طور پر مرزا قادیانی کو نہ ماننے والے پر پکّا کافر اور دائرہ اسلام سے خارج ہونے کا فتویٰ لگایا گیا۔ اور دوسری تحریر میں یہ کہا گیا کہ جو اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر ایمان رکھتا ہے، اگر اس نے مرزا پر

ایمان نہیں لایا تو اس کا پہلا ایمان بھی جاتا رہا۔

پھر ایک جگہ یہ لکھا:۔

''......حضرت مسیح موعود (یعنی نقلی مسیح مرزا قادیانی۔ ناقل) نے الـذیـن کـفـروا غیر احمدی مسلمانوں کو قرار دیا''۔ (کلمۃ الفصل، ریویو آف ریلیجنز، مارچ اپریل 1915، صفحہ 143)

الـذیـن کفروا کا ترجمہ ہے جنہوں نے کفر کیا، اور مرزا بشیر احمد کے بقول مرزا قادیانی نے اس کا مصداق ان تمام مسلمانوں کو قرار دیا جو مرزائی اور قادیانی نہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کا تعلق مرزائی مذہب میں حرام قرار دیا گیا:

مرزا بشیر احمد ایک جگہ لکھتا ہے:۔

''ہم تو دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود (یعنی نقلی مسیح مرزا قادیانی۔ ناقل) نے غیر احمدیوں کے ساتھ وہی سلوک جائز رکھا ہے جو نبی کریمؐ نے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ غیر احمدیوں سے ہماری نمازیں الگ کی گئیں، ان کو لڑکیاں دینا حرام کیا گیا، ان کے جنازے پڑھنے سے روکا گیا، اب باقی کیا رہ گیا ہے جو ہم ان کے ساتھ ملکر کر سکتے ہیں، دو قسم کے تعلق ہوتے ہیں، ایک دینی دوسرے دنیوی، دینی تعلق کا سب سے بڑا ذریعہ عبادت کا اکٹھا ہونا ہے اور دنیوی تعلق کا بھاری ذریعہ رشتہ وناطہ ہے سو یہ دونوں ہمارے لئے حرام قرار دیے گئے''۔

(کلمۃ الفصل، ریویو آف ریلیجنز، مارچ اپریل 1915، صفحہ 169)

پھر اگلے صفحہ پر نتیجہ نکالتے ہوئے یوں لکھا:۔

''غرض ہر ایک طریقہ سے ہم کو حضرت مسیح موعود (نقلی وجعلی۔ ناقل) نے غیروں سے الگ کیا ہے، اور ایسا کوئی تعلق نہیں جو اسلام نے مسلمانوں کے ساتھ خاص کیا ہو اور پھر ہم کو اس سے روکا نہ گیا ہو''۔

(کلمۃ الفصل، ریویو آف ریلیجنز، مارچ اپریل 1915، صفحہ 170)

جب مرزائی مذہب میں مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کا دینی یا دنیوی تعلق رکھنا حرام قرار دیا گیا تو اس کے جواب میں اگر کوئی مسلمان غیرت ایمانی کا ثبوت دیتے ہوئے مرزائیوں کے ساتھ تعلقات نہیں رکھنا چاہتا تو اسے الزام دینے کا قادیانیوں کو کیا حق ہے؟۔

مرزا قادیانی کے مریدوں کا فتویٰ

مرزا قادیانی کے مرید مولوی غلام رسول راجیکے کا فتویٰ:

’’غیر احمدیوں کو مسلمان سمجھنا و آخرین منھم کی شان پر حملہ اور صحابہ کی حیثیت کو ملیامیٹ کرنا ہے‘‘۔

اور تھوڑا آگے لکھا ’’مسیح موعود (یعنی مرزائی عقیدے کے مطابق مرزا قادیانی۔ ناقل) کے منکروں کو بھی مسلمان ہی سمجھنا اور مسیح موعود کی جماعت کی طرح ان کو بھی دائرہ اسلام میں داخل سمجھنا گویا آنحضرت کے منکروں کو اسلام میں شریک سمجھنا ہے‘‘۔(الفضل قادیان، جلد3، نمبر10، مورخہ 15 جولائی 1915، صفحہ 7)

یہ بات بتانے کی ضرورت نہیں کہ مرزا قادیانی اور اس کے بیٹوں اور مریدوں کے یہ تمام بیانات اور فتوے 1974ء میں پاکستان کی قومی اسمبلی کی طرف سے متفقہ طور پر مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی آئینی ترمیم منظور ہونے سے کئی دہائیاں پہلے کے ہیں، یعنی مرزائی مذہب تو اس سے کہیں پہلے مرزا قادیانی کے دعووں کو نہ ماننے والوں پر کافر، دائرہ اسلام سے خارج، خنزیر، عیسائی، مشرک، یہودی اور بازاری عورتوں کی اولاد جیسے فتوے لگا چکا تھا، لہٰذا آج قادیانیوں کا یہ کہنا کہ ہم تو کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتے سراسر ایک دھوکہ ہے، مندرجہ بالا حوالے آج بھی ان کے لٹریچر میں موجود ہیں جو ان کی آفیشل ویب سائٹ پر بھی موجود ہے۔

ہیں کواکب کچھ ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کُھلا

کیا مرزا قادیانی ’’غیر قادیانیوں‘‘ کو مسلمان سمجھتا تھا؟ ایک مرزائی دھوکہ اور اس کا جواب:

محترم قارئین! آپ نے مرزا کے دعووں کو نہ ماننے والوں اور اس کی تصدیق نہ کرنے والوں کے بارے میں مرزا قادیانی اور اس کی جماعت کے فتوے ملاحظہ فرمائے، آج قادیانیوں کی طرف سے یہ کہا جاتا ہے کہ ہمارے حضرت جی (یعنی مرزا قادیانی) نے اپنی آخری عمر میں ایسے بیانات دیے تھے کہ ’’ہم صرف انہیں کافر کہتے ہیں جو ہمیں کافر کہے، اس کے علاوہ ہم کسی کو کافر نہیں کہتے‘‘ نیز انہوں نے اپنی بعض آخری کتابوں میں اپنے منکروں کے لئے ’’مسلمان‘‘ کا لفظ استعمال کیا ہے (ملفوظات، جلد5، صفحات 635، 636 وغیرہ) لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے منکروں کو مسلمان ہی سمجھتے تھے۔

دوستو! کہتے ہیں ’’گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے‘‘ اس قادیانی دھوکے کا جواب بھی خود مرزا کے بیٹے اور قادیانیوں کے نزدیک ’’قمر الانبیاء‘‘ مرزا بشیر احمد نے دیا ہے، وہ لکھتا ہے کہ ’’مرزا کی اس رائے کو اللہ نے اپنے الہام سے بدل دیا تھا‘‘، چنانچہ اپنے باپ مرزا قادیانی کے ڈاکٹر عبدالحکیم خان پٹیالوی کو لکھے گئے ایک خط کا ذکر کرنے کے بعد لکھتا ہے:۔

’’حضرت مسیح موعود کی اس تحریر سے بہت سے باتیں حل ہو جاتی ہیں، اول یہ کہ حضرت صاحب کو اللہ تعالیٰ نے الہام کے ذریعہ اطلاع دی کہ تیرا انکار کرنے والا مسلمان نہیں اور نہ صرف اطلاع دی بلکہ حکم دیا کہ تو اپنے منکروں کو مسلمان

نہ سمجھ، دوسرے یہ کہ حضرت صاحب نے عبدالحکیم خان کو جماعت سے اس واسطے خارج کیا کہ وہ غیر احمدیوں کو مسلمان کہتا تھا، تیسرے یہ کہ مسیح موعود (یعنی مرزا قادیانی۔ناقل) کے منکروں کو مسلمان کہنے کا عقیدہ ایک خبیث عقیدہ ہے......الخ''

(کلمۃ الفصل، مندرجہ ریویو آف ریلیجنز، مارچ اپریل 1915، صفحہ 125)

پھر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

''اصل میں بات یہ ہے کہ عرف عام کی وجہ سے ایک نام کو اختیار کرنا پڑتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ چیز اسم بامسمّٰی ہوگئی ہے مثلاً دیکھو اگر ایک شخص سراج دین نامی مسلمان سے عیسائی ہو جاوے تو اسے پھر بھی سراج دین ہی کہیں گے حالانکہ عیسائی ہو جانے کی وجہ سے اب وہ سراج دین نہیں رہا بلکہ کچھ اور بن گیا ہے لیکن عرف عام کی وجہ سے اسے اس نام سے پکارا جاوے گا۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود (نقلی اور جعلی۔ناقل) کو بھی بعض وقت اس کا خیال آیا ہے کہ کہیں میری تحریروں میں غیر احمدیوں کے متعلق مسلمان کا لفظ دیکھ کر لوگ دھوکہ نہ کھائیں اس لئے آپ نے کہیں کہیں بطور ازالہ کے غیر احمدیوں کے متعلق ایسے الفاظ بھی لکھ دیے ہیں کہ وہ لوگ جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، تا جہاں کہیں بھی مسلمان کا لفظ ہو اس سے مدعی اسلام سمجھا جاوے نہ کہ حقیقی مسلمان''۔

(کلمۃ الفصل، مندرجہ ریویو آف ریلیجنز، مارچ اپریل 1915، صفحہ 126)

پھر اگلے ہی صفحہ پر نتیجہ نکالتے ہوئے یہ فیصلہ دیتا ہے کہ:۔

''پس یہ ایک یقینی بات ہے کہ حضرت صاحب نے جہاں کہیں بھی غیر احمدیوں کو مسلمان کہہ کر پکارا ہے وہاں صرف یہ مطلب ہے کہ وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں ورنہ آپ حسبِ حکمِ الٰہی اپنے منکروں کو مسلمان نہ سمجھتے تھے''۔

(کلمۃ الفصل، صفحہ 127)

لہذا مرزا قادیانی کے اپنے بیٹے اور قادیانیوں کے اس ''قمر الانبیاء'' تشریح کے بعد ہمیں اس بارے میں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

شکیل عثمانی

غامدی صاحب کا جوابی بیانیہ، دستور پاکستان اور قادیانیت

حال ہی میں وطنِ عزیز کے ممتاز دانش ور، جناب جاوید احمد غامدی کا ایک مضمون ''اسلامی ریاست: ایک جوابی بیانیہ'' ان کے ماہنامہ ''اشراق'' لاہور اور چند دوسرے رسائل اور جرائد میں شائع ہوا ہے۔ موضوع کی اہمیت اور اپنے سنجیدہ اور علمی اندازِ بیان کے سبب یہ مضمون گہرے غور و فکر کا متقاضی ہے۔ اس لیے بھی کہ یہ ملک میں جاری اسلام اور سیکولرزم کی اُس کشمکش کی عکاسی کرتا ہے، جس کے دور رس نتائج ہوں گے۔ ذیل کی سطور میں مضمون کے صرف چند نکات کا اختصار سے جائزہ لیا جاتا ہے۔

اس مضمون کا اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ ''ریاست کا کوئی مذہب یا دین نہیں ہوتا'' ماضی میں بھی اس موضوع پر بحث ہوتی رہی ہے جس میں ''جوابی بیانیے'' کے مصنف کا نقطۂ نظر وہی رہا ہے جو پاکستان کے راسخ العقیدہ اسلامی مفکرین کا ہے۔ حوالے کے لیے ملاحظہ فرمائیے، ماہنامہ اشراق ستمبر 1988ء میں غامدی صاحب کا مضمون جو سابق صدر ضیاء الحق کی وفات کے تناظر میں لکھا گیا۔ قارئین کی سہولت کے لیے مضمون کا متعلقہ حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔ (خط کشیدہ جملے خصوصی توجہ کے مستحق ہیں) ''صدر جنرل محمد ضیاء الحق بھی دنیا سے رخصت ہوگئے۔ ان کی وفات ہماری تاریخ کا ایک ناقابلِ فراموش سانحہ ہے۔ نفاذِ دین کے لیے جو حکمتِ عملی انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں اختیار کیے رکھی، مجھے اگرچہ اس سے سخت اختلاف تھا لیکن ابھی پچھلے ماہ میں نے جب ''شریعت آرڈیننس'' کے نفاذ کے بعد ان کی حکمت عملی پر تنقید لکھی تو اس میں یہ بھی لکھا:

''مجھے اس بات کا اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ بہر حال اس ملک کی تاریخ میں پہلے سربراہ مملکت ہیں جنھوں نے اسلام کے ساتھ اپنے تعلق کو بغیر کسی معذرت کے پورے اعتماد کے ساتھ ظاہر کیا۔ اسے برملا اس مملکت کی اساس قرار دیا۔ اس کے بارے میں صاف صاف کہا کہ وہ جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے، اسی طرح ہماری ریاست کا بھی دین ہے۔ اپنی سربراہی کے پہلے دن سے اس کے نفاذ کے لیے کوشاں ہوئے۔ علماء اور اہلِ دین کے ساتھ بہت عقیدت مندانہ رویہ اختیار کیا۔ ہر قومی اور بین الاقوامی پلیٹ فارم پر، جہاں انہیں موقع ملا، وہ قرآن کی آیات پڑھتے اور اسلام پر اپنے غیر متزلزل یقین کا اظہار کرتے نظر آئے، اور اس ملک میں جہاں اکثر ارباب سیاست اب بھی اس حماقت میں مبتلا ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے اور ریاست کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے، وہ ہر جگہ اور ہر موقع پر اس تصور کی بیخ کنی کرتے رہے۔'' صدر صاحب کی وفات کے بعد اب اس ملک کے در و دیوار ان حقائق کا اعتراف

کررہے ہیں۔'' (ص۔6)

خط کشیدہ جملوں میں موصوف نے صدر ضیاء الحق کے ان الفاظ کا حوالہ دیا ہے کہ اسلام جس طرح ہماری انفرادی زندگی کا دین ہے اسی طرح ہماری ریاست کا بھی دین ہے اور یہ حوالہ دیتے ہوئے انھوں نے صدر ضیاء الحق کے نقطۂ نظر سے کسی اختلاف کا اظہار نہیں کیا بلکہ کہا کہ ملک کے جوار بابِ سیاست یہ کہتے ہیں کہ مذہب انسان کا انفرادی معاملہ ہے اور ریاست کے معاملات سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہیے، وہ حماقت میں مبتلا ہیں۔ اب ''جوابی بیانیے'' میں موصوف کا یہ کہنا کہ ریاست کا کوئی دین نہیں ہوتا، یہ ان کے نقطۂ نظر میں ایک بڑی تبدیلی ہے اور جب تک وہ نہیں بتاتے کہ اس تبدیلی کی وجوہات یا محرکات کیا ہیں اور یہ ''جدید وحی'' کب اور کیوں نازل ہوئی، بحث کو آگے بڑھانا مفید نہیں ہوگا۔ کیوں سے ہماری مراد سبب (cause) ہے۔ ہم ان کے جواب کے منتظر رہیں گے۔ ویسے ہمیں صرف ایک فیصد امید ہے کہ وہ اپنے ان تجربات اور مشاہدات کو بیان کریں گے جو اس تبدیلی کے محرک ہوئے کیونکہ ''اشراق'' کے مذکورہ مضمون کی وضاحت کرتے ہوئے ان کی یادداشت کی ''ایک اور'' کمزوری واضح ہوجائے گی۔ یہاں یہ عرض کرنا نامناسب نہ ہوگا کہ یہ نقطۂ نظر میں محض تبدیلی نہیں بلکہ یوٹرن (U-turn) ہے جس کے بارے میں یہی کہا جاسکتا ہے:

جو لکھا پڑھا تھا نیاز نے سو وہ صاف دل سے بھلا دیا

جناب جاوید احمد غامدی ''جوابی بیانیے'' میں لکھتے ہیں کہ خلافت کوئی دینی اصطلاح نہیں ہے۔ خلافت دینی اصطلاح ہے یا نہیں، اس سلسلے میں ہم جاوید احمد غامدی صاحب کے جلیل القدر استاذ امام امین احسن اصلاحی اور اُن (غامدی صاحب) کے استاذ الاستاذ امام حمید الدین فراہی کی تحریریں پیش کرتے ہیں۔ ان علماء کا انتخاب ہم نے اس لیے کیا کہ خود غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''حالی غالب کے شاگرد تھے۔ ان کے مرثیے کا اختتام انھوں نے جن شعروں پر کیا ہے، انھیں لوگوں نے اُس زمانے میں حالی کے حسنِ عقیدت پر محمول کیا ہوگا۔ لیکن وقت نے ثابت کردیا کہ غالب وہی تھا جسے حالی کی آنکھوں نے دیکھا۔ میں نے بھی بہت سے عالم دیکھے، بہتوں کو پڑھا اور بہتوں کو سنا ہے، لیکن امین احسن اور ان کے استاد حمید الدین فراہی کا معاملہ وہی ہے کہ:

غالبِ نکتہ داں سے کیا نسبت
خاک کو آسماں سے کیا نسبت

(مقامات، طبع دوم، ص 130۔131)

مولانا امین احسن اصلاحی سورہ آل عمران کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وَلتَكُن مِّنكُم اُمَّةٌ يَدعُونَ اِلَى الخَيرِ وَيَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَيَنهَونَ عَنِ المُنكَرِ وَاُولٰئِكَ هُمُ

الْمُفلِحُونَ o وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاختَلَفُوا مِن بَعدِ مَا جَاءَ هُمُ البَيِّنَاتُ وَاُولَئِكَ لَهُم عَذَاب عَظِيم.[آل عمران 104-105]

ترجمہ: اور چاہیے کہ تم میں سے ایک گروہ ایسا ہو جو نیکی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو پراگندہ ہو گئے اور جنہوں نے اختلاف کیا بعد اس کے کہ ان کے پاس واضح ہدایات آچکی تھیں اور وہی ہیں جن کے لیے بڑا عذاب ہے۔

''خلافت'' کے قیام کا بنیادی مقصد

یہ امت کو اس اہتمام و انتظام کی ہدایت فرمائی گئی ہے جو اعتصام بحبل اللہ پر قائم رہنے اور لوگوں کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہے۔ اس مقصد کے لیے یہ ہدایت ہوئی کہ مسلمان اپنے اندر سے ایک گروہ کو اس کام پر مقرر کریں کہ وہ لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی دعوت دے، معروف کا حکم کرے اور منکر سے روکے۔ معروف و منکر سے مراد شریعت اور سوسائٹی دونوں کے معروفات و منکرات ہیں اور ان کے لیے امر و نہی کے جو الفاظ استعمال ہوئے ان کا غالب قرینہ یہی ہے کہ یہ کام مجرد وعظ و تلقین ہی سے نہیں انجام دینا ہے، بلکہ اختیار اور قوت سے اس کو نافذ کرنا ہے جو بغیر اس کے ممکن نہیں کہ یہ گروہ امت کی طرف سے سیاسی اقتدار و اختیار کا حامل ہو۔ اگر تنہا دعوت و تبلیغ ہی سے یہ کام لینا مدنظر ہوتا تو اس مطلب کو ادا کرنے کے لیے یدعون الی الخیر کے الفاظ کافی تھے یا مرون بالمعروف (الآیہ) کی ضرورت نہیں تھی۔ ہمارے نزدیک اس آیت سے اس امت کے اندر خلافت کے قیام کا واجب ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی حکم کی تعمیل میں مسلمانوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد پہلا کام جو کیا وہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کا قیام تھا،

(تدبر قرآن، جلد دوم، ص، 154-155، فاران فاؤنڈیشن لاہور)

مولانا امین احسن اصلاحی اپنی ایک اور تالیف میں لکھتے ہیں:

''ریاست کا اسلامی تصور اس اصطلاح کے اندر چھپا ہوا ہے جو اسلام نے ریاست کی تعبیر کے لیے اختیار کی ہے۔ اسلامی لٹریچر پر نگاہ رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اسلام نے اپنے اصولوں پر قائم شدہ سیاسی تنظیم کے لیے ریاست، سلطنت یا حکومت کی اصطلاحیں نہیں اختیار کی ہیں بلکہ خلافت یا امارت یا امامت کی اصطلاحیں اختیار کی ہیں۔''

(اسلامی ریاست، ص 8، شائع کردہ مرکزی انجمن خدام القرآن، لاہور)

غامدی صاحب اگر اس کتاب کے شروع کے صرف پندرہ صفحات ہی پڑھ لیں تو وہ ان کے لیے چشم کشا ثابت ہوں گے اور خلافت کے دینی اصطلاح ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں ان کی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔

مولانا حمید الدین فراہی نے سورۂ والعصر کی تفسیر میں ایک عنوان قائم کیا ہے: ''لفظ و تواصوا سے خلافت کا وجوب''۔ اس سورۃ کی تفسیر کرتے ہوئے مولانا نے سورۂ آل عمران کی حسب ذیل آیت کا حوالہ دیا ہے:

كُنتم خَيرَ اُمّةٍ اُخرِجَت لِلنّاسِ تَامُرُونَ بِالمَعرُوفِ وَتَنهَونَ عَنِ المُنكرِ وَتُؤمِنُونَ بِاللّٰه. [آل عمران :110]

(ترجمہ) ''......تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لیے اٹھائے گئے ہو۔ تم نیکی کا حکم دو گے، برائی سے روکو گے، اللہ پر ایمان لاؤ گے۔'' (آل عمران:110)

[مولانا لکھتے ہیں]، اس آیت سے معلوم ہوا کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس امت کے اہم فرائض میں سے ہے، چنانچہ اس کے متعلق دوسری آیات بھی وارد ہیں۔ لیکن یہ امر واضح ہے کہ اس کی اصلی ذمہ داری، جیسا کہ ولتکن منکم امة سے متبادر ہوتا ہے، امت کے لیڈروں پر ہے۔ البتہ تواصی ایک فرضِ عام ہے جس میں تمام مسلمان برابر کے شریک ہیں۔

اس سے معاملے کی اصل حقیقت سامنے آتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عملِ صالح کریں، پھر ادائے حقوق کے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں، اور چونکہ ادائے حقوق بغیر خلافت وسیاست کے ناممکن ہے، اس لیے ضروری ہے کہ خلافت قائم کریں۔''

(مجموعہ تفاسیر فراہی، ص343۔344، فاران فاؤنڈیشن، لاہور)

اب ہم ''جوابی بیانیے'' کے نکتہ نمبر 4 پر اپنے معروضات پیش کرتے ہیں۔ غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں اور اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علما یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے، ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جا سکتا ہے، اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جا سکتا ہے، لیکن اس کے حاملین چونکہ قرآن وحدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں، اس لیے انھیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اس طرح کے عقائد واعمال کے بارے میں خدا کا فیصلہ کیا ہے، اس کے لیے قیامت کا انتظار کرنا چاہیے۔ دنیا میں ان کے حاملین اپنے اقرار کے مطابق مسلمان ہیں، مسلمان سمجھے جائیں گے، اور ان کے ساتھ تمام معاملات اسی طرح ہوں گے جس طرح مسلمانوں کی جماعت کے ایک فرد کے ساتھ کیے جاتے ہیں۔'' (ماہنامہ اشراق، فروری 2015ء، ص22)

غامدی صاحب کے اس کلیّے کے مطابق جناب غلام احمد پرویز اور ان کے متبعین اور مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے متبعین (جنھیں احمدی یا قادیانی کہا جاتا ہے) کو غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ یہ دونوں گروہ اپنے مسلمان ہونے پر اصرار کرتے ہیں اور قرآن اور حدیث ہی سے استدلال کرتے ہیں۔ اگرچہ جناب غلام احمد پرویز کو منکرِ حدیث اور منکرِ سنت کہا جاتا ہے لیکن وہ بھی اپنے نقطۂ نظر کی تائید میں بعض احادیث پیش کرتے ہیں۔ واضح رہے کہ ایسا کرتے ہوئے وہ ان احادیث کو سیاق وسباق سے الگ کر دیتے ہیں۔ مثلاً درج ذیل حدیث:

عن ابی سعید الخدری، ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا تکتبو عنی، ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحہ، وحدثوا عنی، ولا حرج. (صحیح مسلم)

''ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ نہ لکھو، اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ اور لکھا تو اس کو چاہیے کہ وہ اسے مٹادے۔ اور مجھ سے روایت کرو، کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔'' (صحیح مسلم)

کا حوالہ دیتے وقت وہ صرف شروع کا حصہ یعنی ''ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے کچھ نہ لکھو اور جس نے مجھ سے قرآن کے سوا کچھ اور لکھا تو اس کو چاہیے کہ اسے مٹادے'' بیان کرتے ہیں اور بقیہ حصہ ''اور مجھ سے روایت کرو کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں'' چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث کا محل کیا ہے، اس سلسلے میں قارئین علما کی وہ کتابیں ملاحظہ فرمائیں جن میں حجیتِ حدیث سے بحث کی گئی ہے۔ بہرحال مندرجہ بالا حدیث کی جامع اور مختصر توضیح امام نووی نے اپنی شرح مسلم میں کی ہے۔

پرویز صاحب کے عقائد اور افکار کے بارے میں غامدی صاحب کے کلیّے یا ''جوابی بیانیے'' کے نکتہ نمبر 4 کا اطلاق ان کے رفقا کس طرح کرتے ہیں اس سلسلے میں ماہنامہ اشراق، اکتوبر 2008ء کا حوالہ پیش کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ غامدی صاحب کے ادارے ''المورد'' کے رکن محمد رفیع مفتی کے بقول ادارے کے اسکالرز خطوط اور ای میلز کے ذریعے موصول شدہ دینی موضوعات پر جن سوالوں کے جواب دیتے ہیں ان میں منتخب سوالات وجوابات کو افادۂ عام کے لیے **یسئلون** کے عنوان کے تحت ''اشراق'' میں شائع کیا جاتا ہے۔ اب ''قرآن فہمی کے متعلق اختلافِ رائے'' کے زیرِ عنوان مندرجہ ذیل سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیے:

سوال: جاوید احمد صاحب غامدی علامہ پرویز صاحب کی قرآن فہمی سے کس حد تک متفق ہیں؟ علمائے کرام نے پرویز صاحب پر کفر کے بہت فتوے لگائے، غامدی صاحب کی پرویز صاحب کے بارے میں کیا رائے ہے، کیا وہ صحیح تھے یا غلط؟ (صفدر اقبال)

جواب: معاملہ یہ ہے کہ غامدی صاحب اور پرویز صاحب کی قرآن فہمی میں کوئی اتفاق نہیں ہے۔ ان دونوں حضرات کے قرآن فہمی کے اصولوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ غامدی صاحب نے اپنے قرآن فہمی کے اصولوں کو اپنی کتاب ''اصول ومبادی'' میں ''مبادی تدبرِ قرآن'' کے عنوان کے تحت تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا ہے، انہیں آپ وہاں دیکھ سکتے ہیں، اور پرویز صاحب نے اپنی تفسیر ''مفہوم القرآن'' کی ابتدا میں اپنے اصولوں کو بیان کیا ہے۔ ان دونوں حضرات کے اصولوں میں پائے جانے والے ایک بنیادی فرق کو میں یہاں بیان کر دیتا ہوں۔

غامدی صاحب کے نزدیک قرآن فہمی کے لیے ضروری ہے کہ قرآن کے الفاظ کے وہی معنی لیے جائیں جو نزولِ

قرآن کے زمانے میں عربوں میں مستعمل تھے۔ جبکہ پرویز صاحب کے نزدیک کسی لفظ کے معنی اس کے مادے (root) سے طے کیے جائیں گے۔

تفصیل کے لیے آپ ان دونوں حضرات کی قرآن فہمی سے متعلق کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

ہمارے نزدیک کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا درست نہیں۔ ہم دوسرے کی آرا سے اختلاف کر سکتے ہیں، ان کے خیالات کو غلط قرار دے سکتے ہیں، لیکن کسی کو کافر کہنے کا حق ہمیں حاصل نہیں۔ ہمارے نزدیک دین کے معاملے میں پرویز صاحب کی کئی آرا یکسر غلط تھیں۔ (اشراق، اکتوبر 2008ء، ص 67)

جواب کی آخری تین سطور خصوصی توجہ کی مستحق ہیں جن میں کہا گیا ہے ''ہمارے نزدیک کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا درست نہیں۔ ہم دوسرے کی آرا سے اختلاف کر سکتے ہیں، اس کے خیالات کو غلط قرار دے سکتے ہیں، لیکن کسی کو کافر کہنے کا حق ہمیں حاصل نہیں۔''

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسئلہ تکفیر اور پرویز صاحب کی تکفیر کے فتوے کے بارے میں امام امین احسن اصلاحی کے نقطۂ نظر سے بھی آگاہی حاصل کی جائے۔ قارئین کو یاد ہوگا کہ 1960ء کی دہائی کے اوائل میں پاکستان کے تقریباً ایک ہزار علما نے جناب غلام احمد پرویز کو اُن کے عقائد کی بنا پر کافر اور دائرۂ اسلام سے خارج قرار دیا تھا۔ ان علما کا تعلق دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث اور شیعہ مکاتب فکر سے تھا۔ فتوے کی اشاعت کے بعد مولانا امین احسن اصلاحی کو پرویز صاحب کے ایک سرگرم حامی کی طرف سے ایک خط موصول ہوا جس میں بقول مولانا پہلے تو اُن علما پر بڑی لے دے کی گئی تھی جنھوں نے پرویز صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا، پھر مولانا سے پُرزور مطالبہ کیا گیا تھا کہ وہ پوری ایمان داری کے ساتھ اس فتوے پر اپنی رائے ظاہر کریں۔ اس خط کے علاوہ مولانا کو ''کافر گری'' کے عنوان سے خود پرویز صاحب کی طرف سے بھی ایک پمفلٹ موصول ہوا۔ اس تناظر میں مولانا اصلاحی ماہنامہ ''میثاق'' لاہور (مئی 1962ء) کے اداریے میں لکھتے ہیں:

''[پرویز صاحب اور ان کے حامی] یہ مؤقف اختیار نہ کریں کہ علما کو کسی پر کفر کا فتویٰ لگانے کا حق نہیں ہے۔ اس امر میں تو کوئی شبہ نہیں کہ اسلامی نظام میں کسی کے کفر و ارتداد پر اس کو سزا دینا حکومت کا کام ہے، لیکن یہ بتانا کہ کیا چیز کفر ہے اور کیا چیز اسلام ہے، ہر حال میں علما ہی کی ذمہ داری ہے۔ یہ ذمہ داری ان پر اللہ۔ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔ اگر وہ اس کو ادا نہ کریں گے تو اس کے لیے وہ عنداللہ ذمہ دار ٹھیریں گے۔ یہ ذمہ داری یوں تو ان پر ہمیشہ رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، لیکن خاص طور پر اس زمانے میں تو اس کے تنہا حامل وہی ہیں، اس لیے کہ اس دور میں مسلمان حکومتوں کو لوگوں کے کفر و ایمان کے معاملے سے کوئی تعلق باقی ہی نہیں رہ گیا ہے۔ وہ یا تو سیکولرزم کے پردے میں غیر جانبدار بن کر بیٹھ گئی ہیں یا پھر مغربیت کے زیر اثر آزادی و بے قیدی کی سرپرستی کر رہی ہیں۔ ایسی صورت میں اگر

علما بھی لوگوں کی ہدایت وضلالت کے معاملے سے بالکل بے تعلق ہوکر بیٹھ جائیں تو اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا نکلے گا کہ نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت شیطان اور اس کی ذریات کی صرف ایک چراگاہ بن کر رہ جائے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ اس فتوے کے جواب میں تاویل بازی اور مغالطہ انگیزی کی جو روش اختیار کی گئی ہے یہ بالکل غلط ہے۔ علما نے جو فتویٰ دیا ہے وہ پرویز صاحب کی کسی مبہم عبارت یا کسی معلّق تحریر یا مجمل قول پر مبنی نہیں ہے کہ اس کی توضیح وتشریح کی ضرورت پیش آئے۔ یہ فتویٰ پرویز صاحب کے ایسے عقائد ونظریات پر مبنی ہے جن کو وہ ایک مدت دراز سے بیان کر رہے ہیں۔

پرویز صاحب نے مختلف گروہوں کے علما کے ایک دوسرے کے خلاف فتووں کا جو ریکارڈ شائع کیا ہے، یہ بھی ان کے حق میں کچھ سودمند نہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ مختلف مسلکوں کے غالی مولویوں نے گروہی تعصّبات ونزاعات کے جوش میں ایک دوسرے کے خلاف فتوے دے ڈالے ہیں، لیکن اس سے اُس فتوے کی اہمیت ذرا کم نہیں ہوتی جو انہوں نے پرویز صاحب کے خلاف دیا ہے۔ کچھ بریلویوں کا دیوبندیوں کے خلاف یا کچھ دیوبندیوں کا بریلویوں کے خلاف کوئی فتوے دے دینا الگ چیز ہے اور کم وبیش ایک ہزار علما کا جن میں مسلمانوں کے ہر مسلکِ فقہی وکلامی کے علما شامل ہیں، پرویز صاحب کے کفر پر اجماع کر لینا ایک مختلف چیز ہے۔ اس قسم کا اجماع قادیانیوں کے سوا کسی کے کفر پر بھی اس ملک میں نہیں ہوا ہے۔

آخر میں ہم یہ بات بھی واضح کیے دیتے ہیں کہ پاک وہند کے جن علما کے اس فتوے پر دستخط ثبت نہیں ہیں، ان کو اس فتوے سے الگ خیال کرنا محض ایک مغالطہ ہے۔ اگر کچھ لوگوں نے اس پر دستخط نہیں کیے ہیں تو اس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ فتووں پر دستخط کرنا ان کے رجحانِ طبیعت اور ذوق کے خلاف ہے، یا یہ ہے کہ اس دور میں اس چیز کو وہ کچھ زیادہ مفید نہیں پا رہے ہیں۔ میرے جیسے لوگوں کے لیے یہ وجہ بھی ہوسکتی ہے کہ فتوے لکھنا یا اس پر دستخط کرنا میں نے اپنے منصب سے ہمیشہ ایک اونچی چیز سمجھا ہے، لیکن یہ بات کہنے میں مجھے ذرا حجاب نہیں کہ پرویز صاحب کے خیالات و عقائد کو میں نے ہمیشہ کفر وضلالت سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ زندگی کا صحیح رخ اختیار کریں اور دین سے ناواقفوں کے لیے فتنہ نہ بنیں۔‘‘ (ص 5‘6‘9)

اب ہم ’’جوابی بیانیے‘‘ کے نکتہ نمبر 4 کی طرف دوبارہ رجوع کرتے ہیں۔ جیسا کہ عرض کیا گیا غامدی صاحب ’’بیانیے‘‘ میں یہ کہتے ہیں کہ ’’دنیا میں جو لوگ مسلمان ہیں، اپنے مسلمان ہونے کا اقرار بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں، مگر کوئی ایسا عقیدہ یا عمل اختیار کر لیتے ہیں جسے کوئی عالم یا علما یا دوسرے تمام مسلمان صحیح نہیں سمجھتے، ان کے اس عقیدے یا عمل کو غلط قرار دیا جاسکتا ہے، اسے ضلالت اور گمراہی بھی کہا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ اس کے حاملین قرآن وحدیث ہی سے استدلال کر رہے ہوتے ہیں اس لیے انہیں غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جاسکتا‘‘۔ ہمارا معروضہ یہ ہے کہ اس استدلال کی رو سے احمدیوں یا

قادیانیوں کو بھی غیر مسلم یا کافر قرار نہیں دیا جا سکتا کیونکہ وہ بھی اپنے مسلمان ہونے کا اقرار، بلکہ اس پر اصرار کرتے ہیں اور قرآن وحدیث سے ہی اپنے مؤقف کے حق میں دلائل دیتے ہیں۔ بانی تحریکِ احمدیت مرزا غلام احمد قادیانی قرآن مجید کی آیہ خاتم النبیین کی ایسی تعبیر کرتے ہیں جس سے اجرائے نبوت ثابت ہوتی ہے، جب کہ عام مسلمان اجرائے نبوت کو کفر سمجھتے ہیں۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت کے پیش نظر پاکستان کی قومی اسمبلی نے 7 ستمبر 1974ء کو ایک آئینی ترمیم کے ذریعے مرزا صاحب کے متبعین کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا۔ اب غامدی صاحب کے ''جوابی بیانیے'' نے ایک نئی بحث کا دروازہ کھول دیا ہے۔ لبرل اور سیکولر حلقے اور بائیں بازو کے بعض رہنما اور دانشور مثلاً نیشنل عوامی پارٹی کے سابق سیکرٹری جنرل قسور گردیزی، پارٹی کے ایک رہنما شیر محمد مری المعروف جنرل شیروف، پاکستان ورکرز پارٹی کے رہنما عابد حسن منٹو، پاکستان ہیومن رائٹس کمیشن کے ڈائریکٹر ورکشاپ جناب حسین نقی، معروف ادیبہ اور کالم نگار محترمہ زاہدہ حنا پہلے ہی 7 ستمبر 1974ء کی آئینی ترمیم یا 1984ء کے امتناع قادیانیت آرڈیننس پر نکتہ چینی کر چکے ہیں، اب غامدی صاحب کے ''بیانیے'' کی بنیاد پر اس آئینی ترمیم کو چیلنج کیا جا سکتا ہے۔

7 ستمبر 1974ء کی آئینی ترمیم کو چیلنج کرنے کی راہ جناب جاوید غامدی غیر شعوری طور پر پہلے ہی ہموار کر چکے ہیں۔ ہم نے ''غیر شعوری'' اس لیے کہا کہ ہمیں ان کی نیت پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ان کی ویب سائٹ www.javedahmadghamidi.com پر ان کے ایک لیکچر کی وڈیو بعنوان Ghamidi on Ahmadiyya Prophethood claim موجود ہے جس میں انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کے دعویٰ نبوت اور تحریکِ احمدیت پر گفتگو کی ہے۔ ہم نے جب اس لیکچر کو transcribe کرنے کا ارادہ کیا تو ایک دشواری پیش آئی کہ لیکچر کے دوران جب کوئی سامع سوال کرتا تھا تو غامدی صاحب اسی وقت اس کا جواب دیتے تھے۔ اتفاق سے سوالات انتہائی low volume میں ریکارڈ ہوئے ہیں اور تقریباً ناقابلِ فہم ہیں۔ اس طرح لیکچر کا ربط متاثر ہوتا ہے۔ ہم نے غامدی صاحب کے چند لیکچرز میں شرکت کی ہے، ان کے آڈیو کیسٹس بھی سنے ہیں، ایک کیسٹ کو transcribe بھی کیا ہے۔ وڈیو کیسٹس بھی دیکھے ہیں۔ ان لیکچرز میں جو روانی ہے ہمیں اس وڈیو میں مفقود نظر آئی۔ اس میں جملوں کی ساخت اور الفاظ کی تقدیم اور تاخیر میں الجھاؤ ہے۔ ان وجوہات کے پیش نظر مناسب معلوم ہوا کہ اس لیکچر کا خلاصہ پیش کر دیا جائے۔ یہ خلاصہ درج ذیل ہے:

جاوید غامدی صاحب نے کہا: مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بنیادی طور پر صوفی تھے۔ تصوف سے ان کا اشتغال تھا۔ آپ ان کی ابتدائی زندگی پڑھیں تو اوراد، وظائف اور چلّے نظر آئیں گے۔ انہی چیزوں کو وہ بیان کرتے ہیں اور لکھتے بھی ہیں۔ آہستہ آہستہ انہوں نے پھر یہ کہا کہ میں مسیح موعود ہوں۔ پھر انہوں نے کہا میرا مطلب اصطلاحی نبوت نہیں ہے۔ میں تشریعی نبی نہیں ہوں۔ میں بروزی نبی ہوں، میں ظلی نبی ہوں۔ بروزی کا مطلب یہ ہے کہ بس جیسے مجھ پر نبوت کا ایک

سایہ پڑ رہا ہے، یا نبوت کا ایک پرتو میرے اندر آ گیا ہے۔ اس طرح کی بہت سی باتیں انہوں نے فرمائیں اور پھر آہستہ آہستہ انہوں نے دبے دبے الفاظ میں ایسی باتیں بھی کہیں جن سے یہ معلوم ہوا کہ وہ اس زمانے کے نبی بنا دیے گئے ہیں۔ لیکن میں آپ سے عرض کروں کہ خود مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی جو تحریریں ہیں، جتنی بھی ہیں، ان میں بالصراحت نبوت کے دعوے کی کوئی تحریر نہیں ہے۔ آپ ان کی تصانیف جو روحانی خزائن کے نام سے مختلف جلدوں میں چھپی ہیں، پڑھیں تو معلوم ہوگا ایسی ہی باتیں ہیں۔ یعنی انہوں نے اس بات کے بہت دلائل دیے ہیں کہ نبوت کا مطلب یہ ہے اور الہام جاری رہنا چاہیے، وحی جاری رہنی چاہیے۔ یہ خدا کی نعمت ہے، اس سے محروم کیسے ہوگئے، بنی اسرائیل میں سب لوگوں کو ہوتا تھا۔ محمد رسول اللہ کی امت کیوں محروم کر دی گئی۔ اس طرح کے عقلی دلائل انہوں نے دیے۔ پھر الہام، وحی یعنی خدا سے رابطہ، اس کو انہوں نے اسی طرح کی تعبیروں میں بیان کیا جو تمام صوفیانہ تعبیرات ہیں، اور زندگی بھر کرتے رہے۔ اور پھر کسی موقع پر نبی کا لفظ استعمال کیا، تو انہوں نے کہا میرا مطلب یہ ہے، یا میری مراد یہ ہے۔ ختم نبوت کے بارے میں بھی انہوں نے کہا کہ میں اس کا قائل ہوں، لیکن میرا مطلب یہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت سے مراد یہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ان کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد دو گروہ ہوگئے اور ان کے جو قدیم ترین صحابہ تھے، ان کی اصطلاح کے مطابق، انہوں نے تو یہ کہا کہ ایسا نہیں تھا۔ وہ مجدد تھے۔ یہ جو لاہوری جماعت ہے وہ اسی تعبیر پر وجود میں آئی۔ مرزا بشیر الدین صاحب محمود؛ جو ان کے فرزند تھے انہوں نے اصل میں اس کو زیادہ صریح کیا اور کہا کہ نہیں وہ باقاعدہ...... ورنہ معاملہ ٹھیک ہو جاتا، اتنا ہی رہتا جتنا صوفیوں کا ہے۔ انہوں نے اس کو پھر اس منتہائے کمال تک پہنچا دیا۔ جہاں پہ توضیح کی ضرورت نہ رہی۔ پھر وہ [مرزا صاحب] تو اپنی ہی نبوت کی بات کرتے تھے۔ بعد میں جب بحثا بحثی ہوئی، مناظرے ہوئے تو پھر یہ ہوا کہ نہیں نبوت کا دروازہ چوپٹ کھلا ہوا ہے۔ کل اور بھی آ جائیں گے۔ یعنی معاملہ پھر ذرا مزید آگے بڑھ گیا۔ ان کے جو ابتدائی لوگ ہیں، یہ جو لاہوری جماعت کے جتنے لوگ ہیں وہ ان کے بڑے اکابر ہیں، معمولی لوگ نہیں ہیں۔ جہاں تک ان کے پہلے خلیفہ حکیم نورالدین صاحب کا تعلق ہے تو ان کے معاملے میں تو کوئی زیادہ اختلاف نہیں پیدا ہوا۔ لیکن ان کے بعد جب خلافت کا معاملہ ہوا تو یہ ساری بحث سامنے آئی۔ حکیم نورالدین صاحب کے زمانے میں بھی صورت حال یہ نہیں تھی، اس طرح کی یعنی صورت حال ایسی تھی جیسی میں نے آپ کو سنائی ہے اور زیادہ سے زیادہ بات جو وہ کہتے تھے وہ اسی طرح کی بات تھی جیسے ابن عربی نے کہہ دی۔ نوٹ: احتیاط کے پیشِ نظر اس تلخیص میں غامدی صاحب کے اکثر اصل جملے شامل کیے گئے ہیں۔

جاری ہے

مولانا حافظ عبدالرشید ارشد رحمۃ اللہ علیہ   قسط:۲

امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

(مجلس احرار اسلام......شاہ جی کی زندہ تحریک)

ترس گئے ہیں تری دل کشا صدا کے لیے:

بغیر کسی تکلف یا انکسار کے عرض ہے کہ راقم آثم نہ تو صاحب علم ہے اور نہ ہی صاحبِ قلم۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ مطالعہ، مشاہدہ اور تجربہ کی حد تک صاحبانِ علم و قلم اور اپنے دائرہ و حالات کی حد تک اہم خطیب حضرات کو سنا پڑھا جانچا اور بہت قریب سے دیکھا۔ زیرِ قلم مضمون میں چونکہ اردو اور برصغیر کی علاقائی زبانوں کے سب سے بڑے خطیب کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا میں کوشش کرونگا کہ اپنے واردات ومشاہدات پیش کروں۔ اختر شیرانی نے کہا تھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ادبیات نے تین جامع شخصیات پیدا کیں، ابوالفضل، اسداللہ خاں غالب اور ابوالکلام آزاد“ میں کبھی کبھی سوچا کرتا ہوں کہ خطابت میں جامع الصفات، وجاہت، مردانگی، آواز، اثر اور قرآنی تلاوت کے ساتھ ساتھ اس کے معانی اور پھر موزوں اشعار عام فہم بیان وخطاب اور ایسا لہجہ اور انداز کہ ایک دیہاتی اور تانگہ بان سے لے کر ابولکلام آزاد علامہ اقبال، محمد علی جوہر، علامہ شبیر احمد عثمانی، صلاح الدین احمد، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، صوفی غلام مصطفی تبسم، پطرس بخاری، مولانا غلام رسول مہر، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا محمد ابراہیم جگرانوی رحمہم اللہ غرضیکہ ہر طبقہ وخیال اور کند ذہن اور عبقری، دیہاتی، شہری، علماء، صوفیاء، انگریزی دان، فلسفی ودانشور، سبھی بیک وقت مستفیض ہوں۔ ایسا خطیب سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے علاوہ شاید کسی بھی امت کسی بھی ملک میں نہ پیدا ہوا ہو۔ جلال وجمال، حُسنِ صورت اور حسنِ صوت جس لحاظ سے دیکھیں یہ کہنا پڑتا ہے کہ آپ امت مسلمہ کے فرد وحید خطیب تھے۔

میں نے ”بیس بڑے مسلمان“ کتاب میں لکھا ہے کہ میں نے سات آٹھ سال کی عمر میں امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی پہلی تقریر سنی لیکن اس کے بعد کئی دفعہ غور کیا، سوچا تو محسوس ہوا کہ اس عمر کی تو مجھے بہت سی ایسی باتیں یاد ہیں جن کا تعلق فہم وشعور سے ہے۔ اگر یہ تقریر اس عمر میں سنی ہوتی تو بہت سی باتیں یاد ہوتیں۔ لامحالہ یہ پانچ برس کی عمر کے لگ بھگ کی بات ہوگی جب ۱۹۳۷ء کے الیکشن ہو رہے تھے کہ ایسے ہی حالات میں زعمائے احرار کا دورہ دیہات میں ہوا ہوگا کہ جس میں رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت امیر شریعت سید عطاء شاہ بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور خواجہ عبدالرحیم عاجز، نکودر (ضلع جالندھر) تحصیل مرکز سے چھ میل دور محشم پور میں تشریف لائے ہوں گے کہ مجھے

اس جلسہ میں سوائے ’’بخاری رحمتہ اللہ علیہ وحبیب رحمتہ اللہ علیہ‘‘ کے چہرے اور عاجز مرحوم کی پنجابی نظم کے مطلع کے اور کچھ یاد نہیں۔

راتیں سُتیّاں پیاں مینوں اک خواب آ گیا
گئے بدیشی ایتھوں، ایتھے انقلاب آ گیا

انھی دنوں عاجز مرحوم کی ایک اور نظم بہت مشہور تھی جس کے چند شعر یاد رہ گئے ہیں:

او مسلماناں کدھر گئی اج مسلمانی تری
دین لئی ہندی وقف سی کدی زندگانی تری
لے گئی سی روہڑ کے پربت کفر دے بے شمار
آئی سی جد عرب ولّوں چڑھ کے طغیانی تری
رکھ دتی توں راہ مولا فرزند دے گل تے چھُری
بھل نہیں سکدی کدی دنیا نوں قربانی تری
نس گئے سن تخت چھڈ کے کئی بہادر سُورمے
جس جگہ بھی جاکے چمکی تیغ برّانی تری
توں خدا توں چھڈ دتا اونیں بھی تینوں درکاریا
آسمان والے بھی روندے دیکھ کے ویرانی تری
ہیریاں وانگوں کدی تے تُلدا سی توں
رو رہی ہے آج دنیا دیکھ کے ارزانی تری
ککھاں وانگوں تو اُڈدا پھردا ایں ہر جگہ
عاجزاں وانگوں کیوں جھُکدا جاوناں ایں ہر جگہ
نہ جھکی سی کسریٰ دی چوکھٹ تے پیشانی تری

(اس کا دوسرا مصرعہ یاد نہیں)

عاجز مرحوم سے متعلق ایک اور بات یاد آئی کہ ۱۹۲۹ء میں کانگریس کا راوی کنارے جو اجلاس ہوا تھا اس میں موصوف نے جب ایک ولولہ انگیز نظم پڑھی تو مولانا ابوالکلام آزاد مائیک پر آئے اور کہا کہ جب بھی جنت میں جاؤں گا اور اللہ کے فضل سے امید ہے ایسا ہوگا تو عاجز کا بازو پکڑ کر ساتھ لے جاؤں گا۔

اس طرح گویا میں نے اس نوعمری میں تین عظیم المرتبت شخصیتوں کی زیارت کی۔ رئیس الاحرار رحمۃ اللہ علیہ، امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ اور عاجز مرحوم کی نسبت سے یہ یاد میری زندگی کا اتنا بڑا سرمایہ ہے کہ اس پر بجا طور پر فخر کر سکتا ہوں۔ شہروں سے دور ستلج کے کنارے ایک گاؤں میں ان حضرات کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔

امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کی دوسری زیارت نکودر میں ہوئی جہاں عید گاہ میں مجلس احرار اسلام کی کانفرنس تھی۔ ان کی ایک بات یاد ہے کہ ایک دیہاتی عورت آٹا گوندھ رہی تھی کہ کہیں دور سے ڈھول کی آواز آئی وہ عورت آٹا گوندھنے کی بجائے کھڑے ہو کر دھمال ڈالنے لگی۔ گھر والوں نے کہا کہ یہ کیا حرکت ہے تو اس نے کہا سنتے نہیں کہ ڈھول کی آواز آ رہی ہے۔ انھوں نے کہا کہ آواز تو کہیں بہت دور ہے تو اس نے اسی کیفیت میں کہا:

ایتھے　کی　تے　اوتھے　کی

چونکہ یہ بات ایسی تھی کہ ایک چھوٹا بچہ یاد رکھ سکتا ہے، لہٰذا یاد ہے لیکن یہ یاد نہیں کہ یہ مثال کس بات کو سمجھانے کے لیے دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ سوائے اس کے اور کچھ یاد نہیں کہ اس کانفرنس کے صدر استقبالیہ علاو لپور کے صاحبزادہ سلیمان صاحب تھے جو قیام پاکستان کے بعد سانگلہ میں آباد ہوئے۔ انھوں نے طویل سپاسنامہ یا خطبہ استقبالیہ پڑھا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ لوگ اس طویل تحریر سے بور ہو رہے ہیں کہ سامعین اور علاقہ تقریباً دیہاتی تھا۔ اس کانفرنس میں صاحبزادہ سید فیض الحسن بھی تھے۔ مذکورہ بالا دونوں جلسوں کے متعلق میں نے بہت احباب سے دریافت کیا، کب تھے لیکن کسی نے تسلی بخش جواب نہیں دیا کہ جس سے میں صحیح سن کا تعین کر سکوں۔

اس کے بعد تیسرا جلسہ تلون ضلع جالندھر میں ہوا کہ جہاں کے مشہور لیڈر حبیب اللہ سعدی مرحوم خاکساری تھے اور اگر میری یادداشت کام کرتی ہے تو مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی کے والد ماجد مولانا محمد علی جانباز بھی اس قصبہ کے تھے۔ میں ان دنوں پرائمری کرنے کے بعد مدرسہ عربیہ رائے پور گوجراں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا۔ اس جلسہ میں بھی رئیس الاحرار ساتھ تھے۔ رائے پور میں ہمارے استاد و مربی حضرت مولانا عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ جو قیام پاکستان کے بعد چک نمبر ۱۱ چیچہ وطنی میں آباد ہوئے کیم شحیم اور ہمارے نزدیک خاصے وجیہ تھے اور واقعتاً وجیہ تھے لیکن اب بات جب ہو رہی ہے تو لکھنا پڑتا ہے کہ حضرت مولانا جب حضرت شاہ صاحب کے ساتھ سٹیج کی طرف بڑھ رہے تھے تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ گو حضرت مولانا وجیہ ہیں لیکن حضرت شاہ صاحب کے ساتھ آتے ہوئے شاہ صاحب ہی نظر آ رہے تھے کہ ان کے علاوہ کسی پر نظر نہ ٹکتی تھی۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب ۱۹۴۶ء کے انتخابات کی توقع کی جا رہی تھی۔ ان دنوں چونکہ قرآن مجید حفظ کر رہا تھا لہٰذا پہلی دفعہ محسوس ہوا کہ ہم تو قرآن پنجابی میں پڑھ رہے ہیں۔ عربی قرآن مجید تو یہ ہے جس کی تلاوت شاہ صاحب فرما رہے ہیں۔ یہاں اچھی خاصی سیاسی تقریر تھی۔ چونکہ یہ بھی علاقہ دیہاتی تھا لہٰذا ایسی عام فہم تقریر تھی کہ جس کو

گھاس کھودنے والے دیہاتی بھی سمجھ سکیں اوران تینوں جلسوں کی حاضری کا یہ حال تھا کہ آج لاہور جیسے شہر میں بھی اتنے بڑے جلسے خال خال ہی نظر آتے ہیں۔ میں ساری تقریر میں مسلسل ٹکٹکی باندھے حضرت شاہ صاحب کی طرف دیکھتا رہا، اب سب باتیں سمجھ آرہی تھیں۔ رئیس الاحرار اور امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ کی تقریریں ایک ہی نشست میں ہوئیں رعد کی کڑک اور بجلی کی چمک تھی۔

اس کے بعد ۱۹۴۶ء کا الیکشن آ گیا اور نکودر کی صوبائی نشست پر مجلس احرار اسلام کی جانب سے حضرت مولانا محمد علی جالندھری، مسلم لیگ کی جانب سے میرے رشتہ میں پھوپھا چودھری ولی محمد گوہیر اور یونینسٹ پارٹی کی جانب سے چودھری اسد اللہ خاں (آنریری مجسٹریٹ) کھڑے تھے۔ ہمارے علاقے میں ایک بہت بڑا گاؤں سنگووال تھا جس میں ہمارے ایک بزرگ چودھری اسد اللہ خاں کے بہت قریبی دوست تھے، باقی سارا گاؤں احرار کا حامی تھا۔ گوہیر صاحب مرحوم یہاں کے ایک بڑے قریبی گاؤں پرجیاں کے تھے اور اسد اللہ خاں مرحوم کا قصبہ مہت پور بھی دو میل پر تھا، لہٰذا اس جلسے کی بہت دھوم تھی۔ ہم جلسہ گاہ جارہے تھے اور مجاہد ملت مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ، امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ پیدل گاؤں کی جانب آرہے تھے، لوگ مصافحوں کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کی عقابی نگاہیں دائیں بائیں لوگوں کو دیکھ رہی تھیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک دو آدمی راستے سے ایک طرف گم سم کھڑے ہیں، شاہ صاحب ادھر گھوم گئے اوران سے پنجابی میں مخاطب ہوئے کہ ''تسیں اک پاسے کیوں کھلوتے او'' انھوں نے بڑی مدھم آواز میں کہا کہ ''اسیں چوڑھے آں'' ہم خاکروب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ پھر کیا ہوا آؤ گلے لگو اوران سے پرزور انداز میں معانقہ و مصافحہ کیا اور سر پر ہاتھ پھیرا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھرے جلسے میں پورے خاندان کو لائے اور مسلمان ہو گئے۔ میں کبھی کبھی سوچا کرتا ہوں کہ ہندوؤں کو ہم گالیاں دیتے ہیں لیکن ان کے رسوم ورواج ہماری تہذیب وتمدن میں رچے بسے ہیں، وہ اچھوتوں اور مسلمانوں کو اپنے برتنوں کو ہاتھ نہیں لگانے دیتے تھے۔ ہم نے ہندوؤں کو تو کچھ نہ کہا لیکن اچھوتوں سے وہی برتاؤ کیا جو ہندو ہم سے کرتے تھے۔ اگر ہم ان سے وہ برتاؤ کرتے جس کا اسلام نے ہمیں سبق دیا ہے تو ہندوستان کے سب اچھوت مسلمان ہوجاتے مسٹر گاندھی نے تو ان کو قریب کیا لیکن ہم اسی طرح ان سے نفرت کرتے رہے۔ قیام پاکستان کے بعد کئی خاکروب عیسائی ہو گئے اور ہمارا معاملہ اب بھی ان سے وہی ہے۔ یورپ سے انگریز پادری آکر ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتا ہے ہم پادری اور انگریزوں کو اب تک گلے سے لگائے بیٹھے ہیں لیکن اپنے ملک کے عیسائیوں کو اسی طرح اچھوت سمجھتے ہیں جس طرح قیام پاکستان سے پہلے سمجھتے تھے۔ اگر متحدہ ہندوستان میں ہم ان سے انسانی اسلامی سلوک کرتے تو ہندو اکثریت میں نہ ہوتے، مسلمان اکثریت میں ہوتے اور پاکستان کے مطالبہ کی نوبت ہی نہ آتی۔ اکبر نے ہندو راجاؤں سے تو رشتے ناتے کئے مگر اچھوتوں کو قریب نہ کیا اور افسوس زیادہ علماء پر ہے کہ انھوں نے بھی ادھر توجہ نہ دی۔

یہاں ایک واقعہ لکھنا ضروری ہے، جن دنوں مسٹر گاندھی ہندوؤں کو کہ رہے تھے کہ اچھوتوں کو اپنے مندروں میں آنے دو اور کنوؤں پر جانے دو اور خود اچھوتوں کی بستی میں رہنے لگے، گاندھی کے اخبار کا نام ہریجن تھا تو مخدوم ومحترم حضرت مولانا محمد ابراہیم جگرانوی رحمہ اللہ نے خیال کیا کہ مسٹر گاندھی کی تو یہ سیاسی چال ہے ہمارا تو دین اس کا حکم دیتا ہے کہ انسانیت کا احترام کیا جائے چنانچہ انھوں نے اپنے علاقے میں یہ مہم چلانا چاہی اور ایک گاؤں کے خاکروبوں سے کہا ہم تمارے گھر میں کھانا کھائیں گے لیکن اس طرح کہ تم ہمارے سامنے ہاتھ دھوکر برتن صاف کر کے ان میں کھانا پکاؤ۔ انھوں نے ایسا ہی کیا، حضرت مولانا رحمہ اللہ نے کھانا کھایا، قاری عصمت اللہ مرحوم ان کے ساتھ تھے، وہ یہ سناتے تھے کہ مولانا تو بڑے سکون اور جمیعت خاطر سے کھانا کھا رہے تھے۔ بڑا اچھا گوشت اور حلوہ پکا تھا لیکن میں جب لقمہ منہ میں ڈالتا تھا تو وہ بجائے حلق کے نیچے جانے کے معدہ میں پہلی چیزوں کو بھی اوپر لا رہا تھا۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ سے بھی میں نے یہ قصہ سنا فرماتے تھے کہ لوگ اردگرد جمع ہوگئے اور یہ خبر آناً فاناً علاقے میں پھیل گئی اور اس کے بعد اگر میں کسی گاؤں میں جاتا تو اس گاؤں کے لوگ خصوصاً بچے میری طرف اشارہ کر کے کہتے تھے ''ایہ او مولوی آ، جیہڑا چوہڑا ہوگیا۔ اگر سب علماء ایسا کرتے تو وہ صورت ہوتی جو سنگووال میں ہوئی۔

سنگووال کی جلسہ گاہ ایک بڑا میدان تھی میں اب ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ جیسے لوگ موچی دروازہ اور مینارِ پاکستان کو ٹولیوں اور قطاروں کی صورت میں جلسہ گاہ کو جا رہے ہوں۔ میں سٹیج کے قریب اتنا قریب بیٹھا کہ شاہ صاحب کا قریب سے بغور مشاہدہ کرسکوں۔ اس علاقے میں چونکہ یونینسٹ پارٹی کے امیدواروں کے آنریری مجسٹریٹ ہونے کا رعب تھا لہٰذا حضرت شاہ صاحب کی تمام تر توجہ یونینسٹ پارٹی اور اسد اللہ خاں کی طرف رہی اور شاہ صاحب ان صاحب کو پہلے سے جانتے تھے کیونکہ وہ صاحب دو دفعہ پہلے احرار اسلام اور راعی برادری کے امیدوار کے مقابلہ میں چودھری سمیع اللہ اور میاں عبدالرب علی بالترتیب ڈسٹرکٹ کونسل اور صوبائی سیٹ پر کھڑے ہوکر ہار چکے تھے لیکن اب پھر کھڑے تھے، اور زخم خوردہ سانپ کی طرح تھے لہٰذا شاہ صاحب نے اس جلسہ میں انھی کے متعلق تقریر کا زیادہ حصہ صرف کیا اور مشہور کہاوت

موتیاں دے لونگ والیے تیری ہر مسیا بدنامی

پڑھ کر اس کی خوب تشریح کی کہ ہمارے علاقے میں ہندو نام کو تھے، سکھ خاصے تھے اور ''مسیا'' سکھوں کا ایک تہوار ہے جس میں مرد عورتیں رات کو کسی ندی، دریا، یا چشمے پر نہانے جاتے ہیں۔ آماس سنسکرت میں مہینہ کو کہتے ہیں اس سے ''مسیا'' بنا۔

ایک شخص نے شاہ جی کو چٹ دی کہ گذشتہ صوبائی انتخاب میں مولوی پیر محمد کے لڑکے میاں عبدالرب کو آپ نے مجلس کے ٹکٹ پر کامیاب کرایا تھا۔ لیکن وہ سکندر حیات کے ساتھ مل گئے تو اگر اب مولانا محمد علی جیت کر کسی دوسری پارٹی

میں چلے گئے تو پھر کیا ہوگا۔ اس پر شاہ صاحب نے آدھ پون گھنٹہ زمینداروں کے فہم کے مطابق مختلف مثالیں دیں کہ اگر ایک سال ٹڈی دل کھیتی چٹ کر جائے تو کیا گندم کی کاشت کرنا ترک کر دیتے ہو۔ اگر کسی سال خربوزے کی فصل اچھی نہ ہو تو کیا اگلے سال خربوزے کا خیال چھوڑ دیتے ہو۔ اور پھر آخر میں کہا کہ اگر تمہارے ایک دو بچے پیدا ہو کر مر جائیں تو کیا بیوی کے پاس جانا چھوڑ دیتے ہو۔ نہیں بلکہ پہلے سے زیادہ جدوجہد وسعی کرتے ہو کہ پہلی تلافی بھی ہو اور پھر مولانا محمد علی کی جانب متوجہ ہو کر کہا کہ اس دفعہ ہم نے ایک ایسا جنا ''جوانمرد'' کھڑا کیا ہے کہ اس سے متعلق سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ وہ جیت کر کسی اور پارٹی سے مل جائے گا، اور مولانا کے متعلق خاصی تعریفی تقریر کی ''ذکر اس پری وش کا اور پھر بیان اپنا'' مثالیں دے کر خطاب کرنا شاہ صاحب پر ختم تھا۔

چند دن بعد چودھری ولی محمد گوہیر کے گاؤں ''پرجیاں کلاں'' میں جلسہ تھا اور جلسے کا اہتمام سکول کی وسیع گراؤنڈ میں جمعہ کا خطبہ اور نماز حضرت مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہی وال نے پڑھائی ان دنوں خیر المدارس جالندھر میں استاذ حدیث تھے۔ ''پرجیاں کلاں'' بہت بڑا گاؤں تھا پورا علاقہ حضرت شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کی تقریر سننے کے لیے امڈ آیا تھا۔ اس زمانے میں کسی گاؤں میں پندرہ بیس ہزار کا مجمع آج کے لاکھوں کے برابر تھا اور پھر جب کہ آج کل کے اخبارات پانچ سات ہزار کے جلسے کو لاکھوں کا مجمع بنا دیتے ہیں۔ وہ جلسہ آج کل کے بڑے جلسوں کے برابر تھا۔ جمعہ کے بعد مولانا محمد علی جالندھری رحمتہ اللہ علیہ کی تقریر تھی۔ ایک جانب گوہیر صاحب کرسی پر بیٹھے تھے، میں قصداً ان کے تاثرات دیکھنے کے لیے پاس بیٹھا انھوں نے کوئی اعتراض کیا۔ چونکہ تحریک پاکستان کا زور تھا لہٰذا مخالف موافق دونوں کا اجتماع تھا، اگرچہ دیہاتی علاقہ تھا تاہم شرافت تھی۔ تھوڑا بہت شور وغل ہوا شاہ صاحب سکول کے کمرے میں تھے، شور سنا تو فوراً جلسہ کی جانب آئے۔ مجھے خوب یاد ہے کہ نسواری (براؤن) رنگ کی چادر باندھے ہاتھ میں لمبے دستے کی کلہاڑی لیے جسے پنجابی میں ''ٹکوا'' کہتے ہیں جلسہ کی طرف ذرا تیزی سے آئے۔ مولانا جالندھری رحمہ اللہ کو فرمایا کہ تم تقریر ختم کرو انھوں نے آخری کلمات کہے اور حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تقریر شروع کی۔ بہت مختصر خطبہ پڑھا کہ وقت بھی کم تھا اور تحریک پاکستان کے موضوع پر تنقیدی تقریر کی۔ آپ نے اپنی اس کلہاڑی کو سر کے برابر بلند کیا اور لکڑی کے دستے کے دونوں سروں کے متعلق کہا کہ یہ پاکستان ہے اور درمیان میں طویل ترین علاقہ ہندوستان ہے۔ اگر ادھر کی جانب کوئی ضرورت ہوئی تو ادھر سے امداد نہیں پہنچ سکے گی اور ایسا ہی اس کے برعکس ہوگا اور یہ کہنا کہ ہندوستان چکی کے دو پاٹوں کے درمیاں ہوا انڈیا کو پیس کر رکھ دیں گے غلط فہمی ہے۔ چھ کروڑ مسلمان دو طرف تقسیم تقریباً نصف نصف ہوں گے اور درمیان میں تیس کروڑ کی آبادی کا ملک ہندوستان ہوگا۔ تقریر اس قدر مدلل اور مئوثر تھی کہ سناٹا چھا گیا بخیر و عافیت جلسہ اختتام کو پہنچا۔ ہاں سنگو وال سے واپسی پر ''مہت پور'' کار پر پتھراؤ ہوا کہ وہ اسد اللہ خاں کا قصبہ تھا۔

دو تقریریں خیر المدارس کے سالانہ جلسہ میں سنیں اور وہ بھی اسی زمانے کی تھیں اور اس میں بھی باوجود احتیاط کے سیاسی مسائل آ گئے۔ ایک تقریر میں وَمَا اَصَابَکُمْ مِنْ مُصِیْبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ۔ کی آیت کریمہ پڑھی۔ تین ساڑھے تین گھنٹے تشریح کی، علوم و معارف کے باوجود عام فہم تھی ’’چکدش‘‘ والی نعت سنائی تھی اور یہ نعت شاہ صاحب کے مجموعۂ کلام ’’سواطع الالہام‘‘ اور اب ’’ماہنامہ الرشید‘‘ کے تاریخی ’’نعت نمبر‘‘ میں شائع ہوئی ہے جس کا مطلع ہے:

ہزار صبح بہار از نگاہ می چکدش
جنوں ز سایہ زلفِ سیاہ می چکدش

خیر المدارس کے سالانہ جلسے اسی طرح اپنے زمانے میں معروف تھے جس طرح کبھی ’’انجمن حمایت اسلام‘‘ کے لاہور میں ہوتے تھے۔ عموماً جمعہ کے بعد تقریر حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی ہوتی اور تیسرے دن آخری تقریر عشاء کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی۔ ملتان میں ابتدائی سالوں میں خیر المدارس کے جلسے اسی دھوم دھام سے ہوتے لیکن ان سب جلسوں کی رونق حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ اور ان اکابر کی وجہ سے ہوتی تھی۔ اب مدارس میں جلسوں کا رواج تو ہے لیکن رسم نبھانے والی بات ہے، وہ رونق تو کیا اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔

میں نے اور میرے بڑے بھائی حکیم حافظ محمد اسلم نے اپنے گاؤں ہری پور میں پہلا جلسہ کرایا۔ قیام پاکستان کے بعد مئی ۱۹۵۰ء کے پہلے ہفتے میں میاں چنوں مجلس احرار اسلام کی کانفرنس کرائی۔ ملتان کا ڈپٹی کمشنر مرزائی تھا، میاں چنوں میں کوئی جلسہ کی ذمہ داری لینے کے لیے تیار نہ تھا۔ میری عمر تھوڑی تھی لہٰذا ناظم اعلیٰ مجلس احرارِ اسلام میاں چنوں کے نام سے دو دن کا جلسہ کرایا، اپنا نام نہ لکھا کہ جگ ہنسائی نہ ہو کہ مجلس احرارِ اسلام کو میاں چنوں میں ناظم اعلیٰ ایک لڑکا ملا، حالانکہ بڑی عمر کے لوگ موجود تھے۔ ماسٹر تاج الدین صاحب، قاضی احسان احمد صاحب جانباز مرزا، مولانا محمد علی جالندھری اور امیر شریعت رحمتہ اللہ علیہ تشریف لائے اس جلسہ کا سارا اہتمام میں نے کیا۔

میاں چنوں کے ساتھ چک نمبر ۱۳۰ / ۱۰ تھا (اب وہ میونسپلٹی میں آ گیا ہے) اس میں ایک مستری صاحب بنام محمد دین رہتے تھے شہر میں لکڑی کا اچھا کاروبار تھا۔ وہ شاہ جی رحمتہ اللہ علیہ کے مرید تھے ۵۰ / ۵۱ میں انھوں نے شاہ صاحب کو بیس ہزار روپیہ پیش کیا کہ آپ ملتان میں اپنا مکان بنوا لیں۔ شاہ جی نے فرمایا: میاں صاحب آپ کی کئی بچیاں ہیں ان کا نکاح کرنا ہے یہ روپیہ ان کے لیے محفوظ رکھیں۔ البتہ لاہور، ساہی وال (اس وقت منٹگمری) آتے جاتے ان کی دکان پر گھنٹہ دو گھنٹہ کے لیے تشریف لاتے بشرطیکہ کار پر لاہور، ساہی وال جانا ہوتا۔ ایک دفعہ ۵۷ / ۱۹۵۶ء میں دس بارہ دن ان کے گاؤں میں ان کے گھر قیام فرمایا۔ ان دنوں مکتبہ رشیدیہ تشریف لے آتے اور باہر بینچ پر یا دکان کے پچھلے کمرے میں چارپائی پر تشریف رکھتے اور لوگ زیارت کے لیے آتے۔ انھیں دنوں ربیع الاوّل تھا ہائی سکول میں آسی صاحب (ہیڈ

ماسٹر) نے جلسہ رکھا اور کوشش کی کہ شاہ صاحب تشریف لائیں لیکن آپ نہ مانے، پھر ایک استاد حاضر ہوئے اور عرض کیا تشریف لے چلیں، آپ نے انکار فرمایا۔ انھوں نے کہا حضرت پیچھے شاید آسی صاحب بھی آتے ہوں، حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے فوراً فرمایا کہ اس کے پیچھے تھانیدار صاحب بھی آتے ہوں گے۔ اسی سفر کی بات ہے چک نمبر ۱۳۰ ار کی مسجد میں تقریر پر ضرور آمادہ ہو گئے۔ مسجد بھر گئی صحن میں جلسہ تھا۔ ایک نوجوان مشہور نظم پڑھ رہا تھا۔

دلا غافل نہ ہو یکدم یہ دنیا چھوڑ جانا ہے

میں اندر گیا تو دیکھا حضرت شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ سر جھکائے رو رہے تھے اور آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی ہے۔ اس کے بعد باہر تشریف لائے اور مختصر تقریر فرمائی جو پند و نصیحت اور ختم نبوت کے متعلق تھی۔ ایک دن مکتبہ میں تشریف رکھتے تھے کہ رازی پاکستانی کے چھوٹے بھائی آصفی نے کیمرہ سے تصویر بنانا چاہی لیکن رعب کے مارے ہاتھ کانپ گیا اور تصویر نہ بنا سکا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور شاہ صاحب کے بتائے ہوئے وظیفہ سے مستری محمد دین کے کئی لڑکیوں کے بعد لڑکا پیدا ہوا۔ میں نے سنا ہے کہ وہ آج کل امریکہ میں ہے اور بہت اچھا کاروبار ہے۔

میاں چنوں سے آگے کسووال کے تین چار میل ادھر ایک چک میں میاں محمد شفیع رہتے تھے وہ شاہ صاحب کے عاشق تھے اور تقریباً ہر سال شاہ صاحب وہاں جلسہ پر تشریف لے جاتے اور مرزائیت و ختم نبوت کے متعلق تقریر کرتے۔

میں ملتان خیر المدارس میں دو دفعہ داخل ہوا ایک دفعہ ۱۹۴۸ء میں اور دوسری دفعہ ۱۹۵۳ء میں، اکثر جمعہ مسجد ”سراجاں“ بازار حسین آگاہی میں پڑھتا جہاں مولانا محمد علی جالندھری تقریر کیا کرتے تھے اور اس کے بعد حضرت شاہ صاحب کو سلام کرنے حاضر ہوتا ایک دفعہ حاضری ہوئی تو مرتضی احمد میکش، ملک نور الٰہی مالکِ اخبار ”احسان“ اور ابوسعید بزمی بیٹھے تھے۔ گفتگو ہو رہی تھی، یہ لوگ کہہ رہے تھے کہ شاہ صاحب اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آپ سچ کہتے تھے (یہ ابتدائی سالوں کی بات ہے) شاہ صاحب نے فرمایا کہ ایک سائنس دان نے کہا کہ زمین گول ہے اور اس کو اس پر زہر کا پیالہ پینا پڑا لیکن اب سب لوگ کہتے ہیں کہ زمین گول ہے۔ اس کے بعد مختلف باتیں سنجیدہ سی ہوتی رہیں پھر یہ لوگ جانے لگے تو شاہ صاحب نے پوچھا کہ اب کدھر کا ارادہ ہے۔ میکش نے کہا کہ (ایک مولوی صاحب کا نام لے کر) فلاں طرف۔ آپ نے فرمایا میں تو سمجھتا تھا کہ اس شہر میں مَیں ہی آپ کا شناسا ہوں لیکن معلوم ہوا ہے کہ اور بھی ہیں۔ یہ صاحب مولوی نواب دین مرحوم کے لڑکے مولوی غلام ربانی تھے۔ جب یہ لوگ جانے کے لیے کھڑے ہوئے تو شاہ صاحب نے شعر پڑھا۔

وہ آئے تو آئے نشیب و فراز دیکھ کر
اور جب چل دیئے تو بہر حال چل دے

اس پر وہ حضرات پھر بیٹھ گئے اور شعر و شاعری کی مجلس جم گئی۔

ایک دفعہ میں، رازی پاکستانی، آصفی حاضر ہوئے، حضرت شاہ صاحب نے نفیس چائے پلائی۔ میں نے عرض کیا یہ لوگ تولسی کے عادی ہیں، فرمایا یہ تو تیری حسن طلب معلوم ہوتی ہے۔ آصفی سے نام پوچھا تو اس نے کہا کہ آصفی۔ فرمایا رازی کے وزن پر تو نازی چاہیے تھا۔ پھر آصفی سے سلطنت دکن کی طرف ذہن منتقل ہوگیا اور آپ نے سورۃ ھُمَزَہ لحن کے ساتھ تلاوت فرمائی اور جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَہٗ. یَحْسَبُ اَنَّ مَالَہٗ اَخْلَدَہٗ۔ اور ان سے اگلی آیات پر زور دے کر پڑھا اور فرمایا کہ آصفی سے تو ذہن ادھر ہی منتقل ہوتا ہے۔ آصفی نے آٹوگراف کے لیے کاپی پیش کی تو اس پر ذوق کا شعر لکھا:

کانٹوں میں ہے گھرا ہوا چاروں طرف سے پھول
پھر بھی کھلا ہی پڑتا ہے کیا خوش مزاج ہے

یہی وقت رازی صاحب کو فرصت کا ملا اور انھوں نے جھٹ آپ کی تصویر لے لی۔ آپ نے فرمایا کہ شرارت سے باز نہیں آئے۔ یہی وہ تصویر ہے جو آغا شورش مرحوم نے آپ کی سوانح کے پہلے ایڈیشن کے شروع میں لگائی تھی کہ شاہ صاحب کچھ لکھ رہے ہیں بہت خوبصورت پوز ہے۔

۱۹۵۲ء میں لیاقت علی کی شہادت ہو چکی تھی اور احرار، دفاع کانفرنسیں کر رہے تھے۔ اوکاڑہ میں دفاعِ پاکستان کانفرنس تھی، میں ان دنوں جامعہ رشیدیہ میں مشکوٰۃ شریف پڑھ رہا تھا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۸۵ء) نے از راہ کرم مجھے کتب خانہ میں سونے کی اجازت دی ہوئی تھی۔ ایک رات تقریباً ایک بجے کا عمل ہوگا میں جاگ رہا تھا کہ میرے کانوں میں آواز آئی مولوی عبداللہ، مولوی حبیب اللہ میں چونکا کہ یہ تو شاہ صاحب کی آواز ہے۔ غلہ منڈی کی طرف گیٹ سے آواز آرہی تھی میں دوڑ کر گیا اور دروازہ کھولا تو شاہ صاحب کے ساتھ مختصر سامان ٹوکری وغیرہ تھی وہیں کتب خانہ میں لے آیا ان دنوں محمودیہ ہائی سکول والی جگہ میں جامعہ رشیدیہ تھا تحریک ختم نبوت ۱۹۵۳ء میں یہ جگہ ضبط کر لی گئی۔ میں نے عرض کیا میرے پاس سوجی گھی وغیرہ ہے حلوہ بنالیتا ہوں، آپ نے فرمایا کہ یہ جمعہ کی شب ہے جامعہ میں گوشت پکا ہوگا بوٹیاں وغیرہ تو نہیں ہوں گی دیگچہ میں بچا ہوا شوربہ پڑا ہوگا اور روٹیاں بھی ہوں گی وہ لاؤ۔ میں اٹھا لایا اس کو گرم کیا اور دو روٹیاں اس میں ثرید بنا کر کھائیں اور کہا کہ لطف آگیا، ایسا مزہ حلوہ میں کہاں ہوتا۔ صبح کو شیخ الحدیث مولانا عبداللہ صاحب، حضرت ناظم صاحب مولانا حبیب اللہ، حضرت مفتی صاحب رحمہم اللہ اجمعین اور مولانا مقبول احمد سبھی فجر کی نماز کے بعد حضرت شاہ صاحب کے پاس آگئے اور بڑی علمی مجلس ہوئی۔ میں چائے بنا رہا تھا۔ شاہ صاحب چائے دانی، عمدہ چائے، پان اور لوازمات ساتھ رکھنے کے عادی تھے۔ میں نے پتی چائے دانی میں ڈال کر ابلتا ہوا پانی اوپر ڈالا۔ دل و دماغ تو باتوں کی طرف تھے صرف ہاتھ کام کر رہے تھے۔ شاہ صاحب گفتگو بھی فرما رہے تھے اور مجھے چائے بناتے بھی دیکھ رہے تھے پانی زیادہ پڑ گیا اور کیتلی سے باہر آ گیا شاہ صاحب نے فوراً فرمایا و اکثرھم لا یعقلون:

حضرت شاہ صاحب ۱۹۵۰ء سے مجھ سے متعارف تھے کہ مجلسوں کا شوقین ہے، مجھ سے پوچھا کہ جلسے میں چلو گے؟ میں نے کہا ضرور لیکن حضرت مولانا سے اجازت لینا ہے۔ شاہ صاحب نے میری سفارش کی تو حضرت مولانا نے شفقت سے ہنستے ہوئے فرمایا کہ آپ سفارش کریں نہ کریں میں اجازت دوں یا نہ دوں یہ تو ضرور جلسہ میں جائے گا۔ جی تو شاہ صاحب کے خادم کی حیثیت سے جانے کو چاہ رہا تھا لیکن میرے کپڑے دھلنے گئے ہوئے تھے لہٰذا عرض کیا کہ شام کو حاضر ہونگا۔ اوکاڑہ میں پہلی نشست کی صدارت ڈپٹی کمشنر منٹگمری (ساہی وال) نے کی اور احرار رضار کاروں نے سلامی دی۔ پورے صوبہ سے سیکڑوں کی تعداد میں رضا کار آئے ہوئے تھے اور ورکنگ کمیٹی کا اجلاس بھی تھا۔ ہفتہ کے دن ہائی سکول میں میٹنگ ہو رہی تھی، میرا دل چاہا کہ دیکھوں میٹنگ میں کون کون شریک ہیں اور کس طرح کی بحث ہوتی ہے۔ لیکن باہر گیٹ پر پہریدار تلواریں تانے کھڑے تھے۔ میں اِدھر سے اُدھر گذر رجاتا ایک دفعہ دیکھا شاہ صاحب صحن میں ٹہل رہے ہیں، دروازے کے سامنے کھڑا ہو گیا، شاہ صاحب کی نظر پڑی اور آواز دی۔ رضا کاروں نے تلواریں نیچی کرلیں اور میں اندر چلا گیا۔ میٹنگ میں سبھی لیڈر شریک تھے، مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ اتنی بڑی میٹنگ کو ہوتے دیکھا۔ عصر کی نماز کے بعد ویسے ہی ایک مجلس ہوئی جس میں خاص خاص احباب شریک تھے۔ چودھری افضل حق رحمہ اللہ کے بھتیجے چودھری ظہور الحق بھی موجود تھے، میں بھی جا کر بیٹھ گیا۔ لیاقت علی کے قتل کا حادثہ ہو چکا تھا، حضرت شاہ صاحب نے اس پر تبصرہ فرماتے ہوئے شعر پڑھا:

نادیدنی کی دید سے ہوتا ہے خونِ دل
بے دست و پا کو دیدۂ بینا نہ چاہیے

جاری ہے

☆......☆......☆

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 064-2462501

مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی

حضرت مولانا محمد نافع رحمتہ اللہ علیہ......ایک کتابی بزرگ

حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے میری دو مختصر ملاقاتیں ہیں۔ایک بار مولانا کریم بخش صاحب کے ہمراہ فیصل آباد جاتے ہوئے کچھ دیر کے لیے رکے۔مولانا کی زیارت کی دعائیں لیں اور رخصت ہوئے۔تب مولانا کی صحت بہت بہتر تھی۔دوسری بار برادرم ڈاکٹر محمد عنایت اللہ، ڈاکٹر عبدالقادر صاحبان کے ہمراہ حاضری ہوئی۔اب کی بار مولانا سخت علیل اور تکلیف میں تھے۔قدرے طبیعت سنبھلی تو ملاقات کا شرف بخشا۔فرمانے لگے۔میرے جیسے آدمی کے لیے آپ نے اتنی تکلیف اٹھائی۔طویل سفر اختیار کیا۔میں نے دل میں کہا کہ حضور! آپ جیسے آدمی ہی کی تلاش ہے۔مجھے وہ نہایت شفیق اور خلیق لگے۔خشونت اور یبوست پاس سے بھی نہ گزری تھی۔تواضع، سادگی اور دھیمے پن نے از حد متاثر کیا۔ہمیں تاسف تھا کہ اس مردِ نجیب کے ہاں اب حاضر ہورہے ہیں جب چراغِ سحر بجھا چاہتا ہے۔بوقتِ رخصت دعاؤں کے ساتھ کتب کا تحفہ بھی عنایت فرمایا۔ایک کتاب ڈاکٹر محمد عنایت اللہ صاحب کو دی۔اور دو کتابیں مدرسہ تعلیم الاسلام کے کتب خانے کے لیے وقف فرمائیں۔جو اس مدرسہ کے لیے سرمایۂ افتخار اور نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔برادرِ مکرم ڈاکٹر محمد عنایت اللہ صاحب بڑے ہی خوش قسمت ہیں کہ انھوں نے مولانا کی دعائیں اور توجہات خوب سمیٹیں۔

موصوف مسلسل رابطے میں رہے۔مولانا کے لیے ادویات وغیرہ بھیجتے رہے۔ہر بار مولانا کے صاحبزادے جناب مولانا مختار عمر بذریعہ فون رسید کی اطلاع دیتے۔مگر مولانا کی کریمانہ عادت اور خورد نوازی، وضع داری تھی کہ باوجود یہ کہ ضعف و پیرانہ سالی اور شدید بیماری کے بذریعہ گرامی نامہ نہ صرف مطلع فرماتے بلکہ اس معمولی سی خدمت کو بہت سراہتے، شکریہ ادا کرتے اور دعاؤں سے نوازتے۔مولانا کی اس ادائے دل برانہ پر ہم متحیر ہوتے۔بہر کیف بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔

زمانہ طالب علمی میں مولانا کا نام کانوں میں پڑ چکا تھا۔استاذ محترم حضرت علامہ غلام رسول صاحب رحمتہ اللہ علیہ (استاذ الحدیث جامعہ رشیدیہ ساہیوال) نے اچھوتے موضوع پر اٰلیبلی کتاب "رحماء بینھم" سے آشنا کرادیا تھا۔مولانا کا علم بے کراں، قلم رواں، اسلوب ناصحانہ تھا۔معتدل شگفتہ، شائستہ اور بلیغ اندازِ تحریر میں، ٹھوس علمی تاریخی اور فکری مضامین یوں لکھتے کہ دلوں کے بند دریچے کھلتے چلے جاتے۔مجھے تو اس انداز نے گرویدہ بنالیا تھا۔مولانا تاریخ کی خارزار وادی میں اترے اور مردانہ وار آگے بڑھے، فتنہ گروں کی اڑائی ہوئی گرد میں آئی ہوئی تابدار شخصیات کو یوں بے غبار کیا کہ ہر چہرہ رشک آفتاب و ماہتاب بن گیا۔تاریخ کا پرپیچ اور دشوار گزار سفر ایک غیر جانبدار مؤرخ اور طالب حق کی طرح طے کیا۔

مولانا کا طرزِ فکر ایک سلیم الطبع، انصاف پسند، حق کے متلاشی انسان کو درست اور بے لاگ رائے قائم کرنے اور صحیح نتیجے تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔ مولانا کی کتب میں مناظرانہ جوش کے بجائے مؤرخہ متانت زیادہ ملتی ہے۔ اسلوب جارحانہ نہیں، ناصحانہ ہے۔ مولانا مسلکی تعصب سے دور اور فرقہ واریت سے نفور تھے۔ تاریخ کی اس خارزار وادی سے مولانا اس خوبصورتی سے پار ہوئے کہ گروہی تعصب، بحث ومجادلہ، طعن وتشنیع، تنقیص وتحقیر کے کانٹوں سے اپنا دامن بچائے رکھا، الغرض مولانا شعلہ نہیں شبنم تھے۔

مولانا کو تکلف سے دور اور شہرت سے نُفور پایا۔ کتابیں ہی اوڑھنا بچھونا تھیں۔ ٹھوس بنیادوں پر مضبوط علمی تاریخی کام ایک کچے گھر میں بیٹھ کر کیا۔ جو واقعی کچا ہے اور سادگی کا ایک نمونہ ہے۔ قاری مولانا کی کتب کو اور نئے لکھاری مولانا کے اسلوب کو حرزِ جاں بنائیں۔ مولانا کی کتب علمی مسافر کے لیے زادِ راہ، اور مولانا کا طرز اسوہ ہے۔

کتابوں میں جن علمائے حق کا تذکرہ پڑھا، مولانا ہو بہو ان کی تصویر تھے۔ علم وحلم کا پیکر، زہد وتقویٰ کا مجسمہ، سادگی وبذاذت کا نمونہ، عجز وانکساری میں ڈھلا ہوا وجود، یہ تھے مولانا محمد نافع رحمۃ اللہ علیہ جو اسم بامسمیٰ تھے۔ نام بھی نافع، کام بھی نافع۔ طبیعت میں سادگی تھی۔ لباس بھی سادہ زیبِ تن فرماتے تھے۔ استغناء خودداری، سادگی اور وقار نے مولانا کو باوقار بنا دیا تھا۔ بیماری کے ایام طویل اور تلخ تر تھے۔ جسم شمع کی طرح جلتا پگھلتا رہا، مگر قلب نافع سے حمد وثناء کے چشمے ابلتے رہے۔ جلتی پگھلتی شمع ماحول کو اجالتے ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔ سلفِ صالحین رحمۃ اللہ علیہ کی یہ سچی یادگار بھی آخر ہماری نظروں سے روپوش ہوگئی۔ سدا رہے نام اللہ کا۔

آنے والی نسلیں تم پر ناز کریں گی، ہم عصرو!
جب تم ان کو بتلاؤ گے ہم نے فراقؔ کو دیکھا تھا

ماہانہ مجلس ذکر واصلاحی بیان
ابن امیر شریعت
حضرت پیرجی
سید عطاء المہیمن بخاری
دامت برکاتہم
(امیر مجلس احرار اسلام پاکستان)
25 فروری 2016ء
جمعرات بعد نماز مغرب
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
نوٹ: ہر انگریزی ماہ کی آخری جمعرات کو بعد نمازِ مغرب مجلسِ ذکر واصلاحی بیان ہوتا ہے
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

● **نام کتاب: سیرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ　تالیف: مولانا ثناءاللہ سعد شجاع آبادی　(مبصر: سید عطاءالمنان بخاری)**

ضخامت: ۴۹۶ صفحات　　قیمت: ۴۵۰ روپے　　ملنے کا پتہ: ادارہ اشاعت الخیر بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

مولانا ثناء اللہ سعد شجاع آبادی علمی و تحقیقی ذوق رکھنے والے عالمِ دین ہیں۔ قرآن و حدیث، سیرت طیبہ و سیرتِ ازواج واصحاب رسول علیہم الرضوان کے مطالعے کا اعلیٰ ذوق رکھتے ہیں۔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے بے پناہ محبت سے سرشار ہیں اللہ تعالیٰ نے انھیں تحریر کی صلاحت سے بھی مالا مال کیا ہے اور انھوں نے اس صلاحیت کو اصحابِ رسول علیہم الرضوان کی مدحت و منقبت کے لیے وقف کر دیا ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب اسی سچے جذبے کا بھرپور اظہار ہے۔ امیر المؤمنین خلیفۂ بلافصل رسول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت وسوانح اور کارناموں پر اردو زبان میں بے شمار کتابیں موجود ہیں۔ جب تک دنیا قائم ہے آپ کا ذکرِ خیر ہوتا رہے گا اور مسلمان آپ سے محبت کا اظہار کرتے رہیں گے۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہمہ جہت شخصیت کے متعلق تمام باتیں کسی ایک کتاب میں یکجا نہیں، ان موتیوں کو چننے کے لیے کئی کتابوں کا مطالعہ کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے یہ سعادت مولانا ثناء اللہ سعد نے حاصل کی ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی سیرت و کارناموں کا مکمل احاطہ تو ممکن نہیں تاہم مولانا ثناء اللہ نے تحقیق و جستجو کی گھاٹی کو عبور کر کے کافی مواد اس کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ نو ابواب پر مشتمل اس کتاب میں نام و نسب، ولادت، خصوصیات، قبولِ اسلام میں اوّلیت، دعوت و اشاعت اسلام میں جانی و مالی قربانی، اسلام کے خلاف اٹھنے والے فتنوں خصوصاً فتنۂ ارتداد و مانعینِ زکوٰۃ کے لیے خاتمے کے آپ کے عظیم الشان کارناموں کو تفصیل کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کی محبت ہر مسلمان کے ایمان کا حصہ ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس محبت کا اظہار گھر گھر ہونا چاہیے اور یہ کتاب ہر گھر میں موجود ہونی چاہیے۔ اسلوب تحریر انتہائی سادہ، عام فہم اور دل نشیں ہے۔ ماخذ و حوالہ جات اور اکابر کی تحقیق سے استفادے کا بھرپور اہتمام کیا گیا ہے۔ نیز سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ذات اقدس پر مطاعن کا مدلل جواب بھی دیا گیا ہے۔

● **نام کتاب: سیرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ　مؤلف: ابومحمد مولانا ثناءاللہ سعد شجاع آبادی**

ضخامت: ۵۹۲ صفحات　　قیمت: ۶۰۰ روپے　　ملنے کا پتہ: ادارہ اشاعت الخیر، بیرون بوہڑ گیٹ، ملتان

عز الاسلام، خلیفہ راشدین، مرادِ رسول سید عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی شخصیت، سوانح، خدمات اور کارناموں پر

مشتمل مولانا ثناءاللہ سعد کی عظیم الشان تالیف ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی مدح خود رحمت اللعالمین خاتم النبیین سیدنا محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمائی کہ: ''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر بن خطاب ہوتا'' پھر سیدنا عمر تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب ہیں کہ جنھیں اللہ کے رسول نے اسلام کی عزت کے لیے اللہ تعالیٰ سے مانگ کر لیا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی محبتِ کامل کا صلہ یہ ہے کہ وہ مزار اقدس میں ہیں۔ حضور حتمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے قدمین شریفین میں محوِ آرام ہیں۔

مولانا ثناءاللہ سعد خوش نصیب ہیں جنھیں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں عقیدت ومحبت کے آنسو پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ کتاب انتہائی جامع، معلومات افزا، کئی اعتبار سے منفرد اور کئی کتابوں کی عرق ریزی کا شاہکار ہے۔ باحوالہ، مستند، خوبصورت جلد، اعلیٰ سفید کاغذ، چہار رنگا سرورق اور طباعت کا بہترین معیار۔ مولانا ثناءاللہ کی یہ تالیف ہر اعتبار سے لائقِ تحسین اور ان کے علمی وتحقیقی ذوق کی غماز ہے۔ ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی جس میں بہت کچھ یکجا مل جائے۔ مولانا نے یہ ضرورت کافی حد تک پوری کردی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور توفیق عطاء فرمائے کہ وہ خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم پر اپنی تالیفات کے سلسلے کو مکمل کرسکیں۔

☆......☆......☆

● **نام کتاب: مطبوعاتِ القاسم اکیڈمی نمبر مؤلف: علامہ عبدالرشید عراقی (مبصر: محمد نعمان سنجرانی)**

ضخامت: ۴۸۴ صفحات قیمت: درج نہیں ناشر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ

رابطہ نمبر: 0346-4010613 – 0301-3019928

''مطبوعاتِ القاسم اکیڈمی نمبر'' ماہنامہ القاسم کی ۲۱ ویں خصوصی اشاعت ہے۔ علامہ عبدالرشید عراقی نے مولانا عبدالقیوم حقانی اور القاسم اکیڈمی کی تقریباً ڈیڑھ سو سے زائد مطبوعہ قلمی کاوشوں پر مستقل کتاب تالیف کی ہے۔ یہ کتاب درج ذیل بارہ ابواب میں علامہ عراقی کے تبصروں پر مشتمل ہے۔

ا: قرآنیات۔ ۲: حدیث، متعلقاتِ حدیث، سیرت واتباعِ سنت۔ ۳: فقہ واحکام اور حِکَم۔ ۴: سیاست ونظم ریاست۔ ۵: عقائد، تصوف، سلوک اور اخلاقیات۔ ۶: تذکرہ وسوانح، تاریخ اور سفرنامے۔ ۷: مکتوبات، مواعظ وخطبات۔ ۸: خصوصی اشاعتیں۔ ۹: ادبیات۔ ۱۰: خواتینِ اسلام۔ ۱۱: ردِ فرقِ باطلہ۔ ۱۲: صرف ونحو

علامہ عبدالرشید عراقی کی تالیف اس موضوع کے حوالے سے پہلی انوکھی اور البیلی کتاب ہے۔ درحقیقت یہ ایک کتاب قاری کو ڈیڑھ سو سے زائد کتب سے روشناس کراتی ہے، علامہ موصوف نے ''ڈیڑھ سو سے زائد کتب کو ایک کتاب

میں بند کر دیا ہے“ (فجزاہ اللّٰہ)۔ کتاب کا سرورق، جلد بندی اور طباعت بھی عمدہ ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مولانا عبدالقیوم حقانی اور ان کے رفقاء کار کی ان مساعی جمیلہ کو قبول فرمائیں، اُن کے ادارے کو دائم و قائم اور علم و ادب کے پھیلانے کا ذریعہ بنائیں۔ آمین

● **نام کتاب: اُمّ المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سو پھول　　مؤلف: مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی**

ضخامت: ۱۲۰ صفحات　　ہدیہ: ۱۶۰ روپے　　ناشر: مکتبہ انوارِ مدینہ، جامع مسجد صدیق اکبر مانسہرہ، ہزارہ

اُمہات المؤمنین میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا قرآن فہمی، روایت حدیث، فقاہت اور اجتہاد میں بہت بلند مقام پر فائز تھیں۔ نبی کریم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مسائل کے حل میں آپ سے استفادہ کرتے تھے۔

مولانا قاضی محمد اسرائیل گڑنگی نے اُمّ المؤمنین کے ایک سو ارشادات و اقوال کو اس مختصر کتاب میں جمع و مرتب کر کے گویا دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

☆......☆......☆

پروفیسر خالد شبیر احمد

غزل

الزام ہو کے رہ گئی حرفِ وفا کی بات
خواب و خیال ہوگئی لطف و عطا کی بات

محور بنی ہوئی ہے میرے ذوق و شوق کا
ہاں رسم عاشقی میں تیرے نقش پا کی بات

ہوش و خرد سے رابطے سب میرے کٹ گئے
جب سے پڑی ہے کان میں اس خوش نوا کی بات

صرصر سموم و حَبس کی باتیں ہیں چار سو
اے کاش کوئی ہوتا، کہ کرتا صبا کی بات

بے مایہ دونوں ہوگئے بازارِ حرص میں
قصہ میرے وقار کا تیری انا کی بات

ہاں تیری بزم ناز میں دو ہی تو ہیں حریف
حسن طلب کا سلسلہ تیری حیا کی بات

کیوں ڈھونڈھتا ہے پھر کسی آتش نفس کو جی
کرتا جو رزم گاہ میں لطفِ فنا کی بات

شکوہ ہے مجھ سے ایک ہی یاروں کو رات دن
کرتا ہے دورِ زَر میں بھی خالدؔ خدا کی بات

مولانا کریم اللہ

38ویں ’’سالانہ تحفظ ختم نبوت کانفرنس‘‘ چناب نگر

چناب نگر (سابق ربوہ) میں قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری کی زیر صدارت ۱۲؍ ربیع الاول ۱۴۳۷ھ، ۲۴؍ دسمبر ۲۰۱۵ء، جمعرات کو مرکز میں حسبِ دستورِ سابق ’’ختم نبوت کانفرنس‘‘ تزک و احتشام کے ساتھ منعقد ہوئی اور بعد نماز ظہر دعوتی جلوس نکالا گیا، دور دراز سے قافلے اور کارکن ۱۱؍ ربیع الاوّل کو ہی پہنچنا شروع ہو گئے تھے جبکہ انتظامی کمیٹیوں کے ارکان نے اپنی اپنی ڈیوٹیاں سنبھال رکھی تھیں، چناب نگر میں اڈے پر موجود استقبالیہ کیمپ پہنچنے والے قافلوں اور کارکنوں کی رہنمائی کر رہا تھا، سخت سردی کے باوجود مسلسل رات بھر قافلے اور کارکن آتے رہے۔ صبح نماز فجر کے بعد پہلی نشست میں مجلس احرار اسلام کے مرکزی ناظم تبلیغ حضرت مولانا محمد مغیرہ نے درس قرآن پاک سے آغاز فرمایا اور قرآن وحدیث اور اجماعِ امت کی روشنی میں عقیدۂ ختم نبوت پر سیر حاصل گفتگو کی۔ دوسری نشست پونے نو بجے تقریب پرچم کشائی کی منعقد ہوئی جس میں پاکستانی پرچم اور جماعت کا سرخ ہلالی پرچم لہرایا گیا، اس تقریب سے پروفیسر خالد شبیر احمد، عبداللطیف خالد چیمہ اور سید محمد کفیل بخاری نے خطاب کیا۔ آخر میں قائد احرار کا بیان ہوا انھوں نے جماعت کی تاریخ کے حوالے سے کلیدی گفتگو کی اور فرمایا کہ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے جو انسانیت کے تمام مسائل کا حل پیش کرتا ہے اللہ کے عطا کردہ نظام میں کسی قسم کی پیوندکاری سے ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے، تحفظ ختم نبوت کا پلیٹ فارم تمام مکاتب فکر کے لیے مضبوط ترین قدر مشترک ہے۔ انھوں نے کہا کہ اسلام اور پاکستان کے دشمنوں کو ہر حال میں شکست سے دوچار کرنے کے لیے قومی سطح پر اتحاد و یگانگت کو فروغ دینے کی اشد ضرورت ہے اور قادیانیوں کے بارے میں نرم گوشۂ پاکستان کے لیے زہر قاتل ہے، انھوں نے مزید کہا کہ مقتدر قوتیں اور سیاستدان اپنی صفوں سے قادیانیوں اور وطن دشمن عناصر کو نکال باہر کریں اور ملکی دفاع کو یقینی بنائیں۔ تیسری نشست شروع ہوئی تو تلاوتِ قرآن پاک کے بعد حافظ محمد احسن دانش نے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں ہدیہ نعت پیش کیا، احرار کے مرکزی ناظم اعلیٰ عبداللطیف خالد چیمہ نے قیام مرکز ۲۷؍ فروری ۱۹۷۶ء سے آج تک کے حالات اور نشیب و فراز کا خلاصہ بیان کیا اور کہا کہ جماعت کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ تمام مکاتب فکر کو ہمیشہ تحفظ ختم نبوت کے پلیٹ فارم پہ یکجا کیا۔ انھوں نے ممتاز اہل حدیث رہنما مولانا سید ضیاء اللہ شاہ بخاری کو دعوت دی۔ سید ضیاء اللہ شاہ بخاری نے انتہائی خوبصورت آواز میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ امت کے اکابر نے ہمیں فتنوں سے بچانے کے لیے بڑی محنت کی ہے، انھوں نے کہا کہ اسلام ایک دن غالب آ کر رہے گا۔ انھوں نے کہا کہ فکری انتشار کے اس دور میں ہمیں قرآن وسنت پر عمل کرنا ہوگا اور خلفائے راشدین کے طریقے کو اپنانا ہوگا انھوں نے کہا کہ پاکستان ہمارا وطن ہے اور اس کو مضبوط کریں گے۔ انھوں نے کہا

کہ مجلس احرار اسلام کے پہلے جنرل سیکرٹری اہل حدیث رہنما مولانا محمد داؤد غزنوی تھے انھوں نے کہا کہ تمام مکاتب فکر کی منزل ایک ہے اور سب کا ماخذ قرآن وسنت ہے۔ مولانا مجاہد الحسینی نے کہا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوت ورسالت اور مسیح موعود کا دعوی امت میں انتشار پیدا کرنے کے لیے کیا تھا قادیانی انگریز کے خود کاشتہ پودے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی رفاقت اور صحبت نے ہمیں دین اور تحفظ ختم نبوت کا فہم دیا، اکابر احرار کی لازوال قربانیوں اور شہدائے ختم نبوت کے خون کے صدقے پاکستان قادیانی ریاست بننے سے بچ گیا۔ جماعت اسلامی پاکستان کے مرکزی ڈپٹی سیکرٹری جنرل ڈاکٹر فرید احمد پراچہ نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر انسانیت ہیں انھوں نے کہا کہ اکیسویں صدی اسلام کے غلبے کی صدی ہے پاکستان اسلامی ملک ہے لبرل نہیں بننے دیں گے انھوں نے کہا کہ آئین پاکستان سے اسلامی دفعات کوئی ختم نہیں کرسکتا۔ انھوں نے کہا کہ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور ان کی جماعت مجلس احرار اسلام کی قربانیوں کو ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ جامعہ اسلامیہ امدادیہ کے نائب صدر شیخ الحدیث مولانا مفتی محمد زاہد نے کہا کہ ہم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے ہیں، حضرت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ختم نبوت کے طفیل ہمیں غلامی کی سعادت حاصل ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ عظیم قافلہ جس نے ناموسِ رسالت کا تحفظ کیا، سید عطاء اللہ شاہ بخاری اس کے سپہ سالار تھے، اس قافلے میں کارکن کی حیثیت سے نام لکھوانے کے لیے ختم نبوت کانفرنس چناب نگر میں حاضری ہوتی ہے، قادیان سے چناب نگر تک اس قافلے کی قربانیوں نے اس مسئلہ کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ مولانا ضیاء الدین آزاد نے کہا کہ جب تک ہماری جان میں جان ہے ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت کے تحفظ کے لیے کام کرتے رہیں گے۔ قاری شبیر احمد عثمانی نے کہا کہ قادیانیوں کے خلاف آئین سے بغاوت کا مقدمہ درج کیا جائے۔ مولانا عبدالقادر رائے پوری نے کہا کہ قادیانیوں سے ہمارا کوئی ذاتی اختلاف نہیں انھوں نے کہا کہ ردِ قادیانیت کے محاذ پر اس مرکز کا کام بہت بڑا جہاد ہے۔ چودھری محمد فیصل گجر (ختم نبوت یوتھ فورس) نے کہا کہ حضرت امیر شریعت نے برصغیر میں ختم نبوت کے مشن کی بنیاد رکھی، قادیانیت کے خلاف جدوجہد جاری رہے گی۔ مولانا حماد الرحمٰن لدھیانوی نے کہا کہ فکری انتشار پیدا کرنے والوں کا محاسبہ ضروری ہے۔ قاری عبید الرحمٰن زاہد نے کہا کہ دنیا میں فساد کے بجائے امن چاہتے ہیں، لیکن امن کا دوسرا نام اسلام ہے۔ پروفیسر خالد شبیر احمد نے کہا کہ یہ ملک کلمۂ اسلام کے نفاذ کے نام پر حاصل کیا تھا، ۶۸ سال سے اب تک حکمرانوں نے قیام ملک کے اصل مقصد اور بانی پاکستان کے وژن سے انحراف بلکہ غداری کی ہے، انھوں نے کہا کہ آج بھی ہمارے ایٹمی اثاثوں پر امریکا اور یہودیوں کی نظر ہے اور قادیانیوں کے ذریعے ملک کو عدم استحکام کی طرف دھکیلا جارہا ہے۔

کانفرنس کے اختتام پر بعد نماز ظہر ہزاروں فرزندانِ اسلام، مجاہدین ختم نبوت اور سرخ پوشانِ احرار نے فقید المثال دعوتی جلوس نکالا، جلوس قائدینِ احرار اور تحریکِ ختم نبوت کے رہنماؤں کی قیادت میں جامع مسجد احرار سے روانہ ہوا تو منظر دیدنی تھا۔ سرخ ہلالی پرچموں اور مختلف بڑے بڑے دعوتی بینرز تھامے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کلمہ طیبہ اور درودِ

پاک پڑھتے ہوئے جب آگے بڑھے تو روح پرور منظر نے عجب سماں پیدا کر رکھا تھا اور منظّم جلوس کے شرکاء یہ نعرے لگا رہے تھے، نعرۂ تکبیر اللہ اکبر، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے بڑی شان والے، فرما گئے یہ ہادی، لا نبی بعدی، تاج وتخت ختم نبوت، زندہ باد، پاکستان پائندہ باد، جب تک سورج چاند رہے گا، بخاری تیرا نام رہے گا۔ شرکاء نعرے لگاتے ہوئے اپنے طویل مقررہ راستوں سے اقصیٰ چوک پہنچے جہاں جلوس نے پڑاؤ کیا۔ مولانا تنویرالحسن نے خطاب کیا اور قادیانیوں کو دعوت اسلام دی گئی۔ یہاں سے جلوس نہایت پرامن طور پر قادیانی مرکز ''ایوان محمود'' پہنچا تو بہت بڑے جلسۂ عام کی شکل اختیار کر گیا، ایوان محمود کے سامنے قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے رہنما مولانا مفتی محمد حسن، عبد اللطیف خالد چیمہ، سید محمد کفیل بخاری اور مولانا محمد مغیرہ نے خطاب کرتے ہوئے قادیانیوں کو دعوت اسلام کا فریضہ دہرایا۔ سب سے پہلے سید کفیل بخاری نے خطاب کیا کہا کہ اسلام دائمی دین ہے، اسلام کا مقصد اسلام کی حکومت کے سوا کچھ نہیں۔ ۱۹۷۶ء سے ہم یہاں عقیدۂ ختم نبوت کی حقانیت بیان کر رہے ہیں، انھوں نے کہا کہ ربوہ میں آئے ہیں تو مرزا مسرور سمیت تمام قادیانیوں کو دعوت دیتے ہیں کہ عالی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں آجائیں، دنیا وآخرت سنور جائے گی۔ ان کے بعد جناب عبد اللطیف خالد چیمہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ۲۷ر فروری ۱۹۷۶ء کو ہم نے یہاں ڈیرہ لگایا تھا، انھوں نے کہا کہ ہمیں قادیانیوں سے نفرت نہیں بلکہ ان کے اندر جو کفر اور دھوکا چھپا ہوا ہے اس سے نفرت ہے۔ انھوں نے کہا کہ قادیانی ڈاکٹر عبد السلام نے ۱۹۸۴ء میں ہمارے ایٹمی راز امریکا کو فروخت کیے تھے، اب بھی ہمارے ایٹمی اثاثے عالمِ کفر کو کھٹک رہے ہیں۔ مولانا محمد مغیرہ نے کہا کہ ہم قادیانیوں کو اپنا بچھڑا ہوا ساتھی سمجھتے ہیں اور ختم نبوت کا پیغام قادیانیوں کو ہمیشہ پہنچاتے رہیں گے۔ مولانا مفتی محمد حسن نے کہا عالی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی بھی نبوت کا دعویٰ کرے وہ کذاب ہے، انھوں نے قادیانیوں کو مخاطب کر کے کہا کہ ذلت وگمراہی سے نکل کر اللہ کی اطاعت میں آجاؤ۔ ایوانِ محمود کے سامنے اختتامی بیان میں قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا کہ ہم عالی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری میں زندگی بسر کرنے کی دعوت لے کر ربوہ میں آئے ہیں، ہمارا مشن کفر وارتداد کو بے نقاب کرنا ہے، قادیانی اپنی معینہ اسلامی وآئینی حیثیت کو تسلیم کر لیں تو ہماری محاذ آرائی ختم ہو جائے گی، انھوں نے کہا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور چالیس سال تک حکومت کریں گے اور شادی کریں گے، آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر پر حاضر ہوں گے اور سلام کریں گے آقا صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیں گے جو لوگ بھی سنیں گے، سید عطاء المہیمن بخاری نے کہا کہ اسلام اور پاکستان کا دوست ہمارا دوست ہے اور اسلام اور پاکستان کا دشمن ہمارا دشمن ہے۔

کانفرنس کے اختتام پر مجلس احرار اسلام پاکستان کے سیکرٹری جنرل عبد اللطیف خالد چیمہ اور ڈپٹی سیکرٹری جنرل محمد عمر فاروق احرار نے ملکی سلامتی کے دفاع، اسلامی ممالک کے عسکری اتحاد، پاک فوج کی حمایت، کلیدی عہدوں سے قادیانیوں کی برطرفی، ملک میں بڑھتی ہوئی مہنگائی وفحاشی کے خلاف قراردادیں پاس کیں۔

یونیک
فاسٹ
ٹریولز اینڈ ٹورز
(پرائیویٹ) لمیٹڈ
تمام ایئر لائینز کی ٹکٹیں سستے ترین ریٹ میں حاصل کریں
عمرہ
گروپ کے ساتھ
کے بہترین پیکج
نزدیک ترین رہائش
بہترین سروس
علماء کرام گروپ کے ساتھ فری عمرہ پیکج حاصل کریں
سعودی عرب
دبئی
ملائشیا
تھائی لینڈ
سری لنکا
چائینہ
سنگاپور
قطر
فلپائن
ماسکو
عراق
ازبکستان
مسقط
کے وزٹ ویزے معلومات
مولانا محمد ابوبکر
چیف ایگزیکٹو
03004002993
03454002993
بھمبر روڈ کوٹلہ گجرات
053-7575174
053-7575175

بولان کا خالص

سرکہ سیب

(ایکسٹرا کوالٹی)

- دل کے بند والوں کو کھولتا ہے۔
- کولیسٹرول کو کم کرتا ہے۔
- ہاضمہ کو درست رکھتا ہے۔
- موٹاپے کو کم کرنے کیلئے بہترین دوا ہے۔

گلے کی خراش اور بلغم ختم کر کے جسم کو صحت مند اور خوبصورت بناتا ہے۔

- رنگت نکھارتا ہے۔

Regd # QA/F/31

BOLAN'S®

Bolan Fruit Products
P.O.Box 285 Quetta
email: bfpq_asif@yahoo.com

بیاد مجدد بنی ہاشم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ـــــ امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

بانی: سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ: 28 نومبر 1961ء

دارِ بنی ہاشم

مہربان کالونی ملتان

خصوصیات

★ الحمدللہ مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر میں ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہے

★ حفظ وناظرہ قرآن اور درسِ نظامی میں درجہ متوسطہ سے درجہ خامسہ تک تعلیم جاری ہے

★ دارالافتاء کا قیام ★ صرف ونحو کا، ماہر اساتذہ کی نگرانی میں اجراء

★ علمی، فکری، اخلاقی اور روحانی تربیت ★ تقریر وتحریر کی تربیت ★ دارالمطالعہ کی سہولت

★ ماہانہ مجلس ذکر ★ سالانہ ختم نبوت کورس ★ طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری، مڈل شعبوں میں تعلیم جاری ہے

تعمیری منصوبے

● وسیع بیسمنٹ ہال ● دارالقرآن ● دارالحدیث ● دارالمطالعہ

اور دارالاقامہ کے لیے 24 کمروں پر مشتمل دو منزلہ عمارت کی تعمیر شروع کی جارہی ہے۔

تخمینہ لاگت بیسمنٹ ہال (20,00,000) بیس لاکھ روپے، لاگت فی کمرہ چار لاکھ روپے ہے

تخمینہ لاگت درس گاہیں، ہاسٹل، لائبریری، مطبخ (1,00,00,000) ایک کروڑ روپے

صدقہ جاریہ میں حصہ لیں اور نقد وسامان تعمیر دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

نیز طلباء کی ضروریات کے لیے زکوٰۃ وعشر، صدقات اور عطیات سے تعاون فرمائیں۔

رابطہ

061 - 4511961

0300-6326621

majlisahrar@yahoo.com

majlisahrar@hotmail.com

ترسیلِ زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 0278-37102053

یو بی ایل، ایم ڈی اے چوک ملتان

الداعی الی الخیر

ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری

مہتمم مدرسہ معمورہ ملتان